نقوشِ راہ

Dec 20

نقوش راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پہ مسافر پریشاں بیٹھے ہیں

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

بابری مسجد کے قضیہ نے اتار دیے نقاب

ہندوستان میں گم راہ کن تاریخ نویسی

تعلیم آزادی وانقلاب کا پہلا زینہ

شہادت بابری مسجد سے سیکولر جماعتوں کے دامن خون آلود ہیں۔

کلام نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ما کثرت ذنوب قوم إلا زخرفت مساجدها (فی روایة مساجدهم) وما زخرفت مساجدها الا عند خروج الدجال

(السنن الوارده فی الفتن جلد 4: صفحہ 819، فتح الباری 1/539)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب قوموں کے گناہ زیادہ ہونے لگتے ہیں تو ان کی مسجدیں سجائی جانے لگتی ہیں، اور مسجدیں دجال کے خروج کے قریب سجائی جائینگی۔

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔(القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

ڈسمبر 2020، ربیع الآخر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ | جلد:03 شمارہ:8 | اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

چیف ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد وجیہ القمر

ایڈیٹر

منہاج الاسلام فلاحی

معاون ایڈیٹر

جاوید مومن

مجلس ادارت

- ڈاکٹر محمد مبشر
- محمد جمیل
- معاذ احمد جاوید
- سید ریحان
- اُسامہ عظیم فلاحی
- عمار احسن ندوی

سرکولیشن منیجر

شیخ عمران

زرتعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name : Nukush E Rah
A/c No.: 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	ابن مظفر	05
درسِ حدیث: بہتر کون؟؟	س۔م۔اسلام	08
اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی مما لک کا کردار	خلیل احمد حامدیؒ	09
بابری مسجد کے قضیہ نے اتار دیے نقاب	افتخار گیلانی	12
عصری تہذیبی مسائل اور حل۔۔۔۔	شکیلہ عبد الحمید	16
ہندوستان میں گم راہ کن تاریخ نویسی	مختار احمد مکی	22
شہادتِ بابری مسجد سے سیکولر جماعتوں۔۔۔	ابوخدیجہ	27
تعلیم آزادی وانقلاب کا پہلا زینہ	سید منہاج الاسلام	29
انفرادی دعوت کیوں اور کیسے؟	پرویز نادر	33
مغرب کے دوہرے معیار اور مسلم دنیا کی بے حسی	افتخار گیلانی	35
گوشۂ خواتین: دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا		38
گوشۂ اطفال: وقت	ابوالفیض	39
اقبالیات	ابن سلطان	41

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press,
Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دنیا میں فساد اور بگاڑ کی بہت سی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ انسان کا اپنے مقام کے متعلق غلط اندازہ کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگتا ہے تو فرعون اور نمرود سے کم پر بس نہیں کرتا اور لوگوں کو اپنا غلام بنا کر بڑے طمطراق سے اعلان کرتا ہے "انا ربکم الاعلیٰ" (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں)۔ دوسری جانب جب وہ گرنے پر آتا ہے تو اس قعر مزلت میں جا گرتا ہے کہ پیڑ، پودھے، پتھر، ندی، نالے یہاں تک کہ انسانوں کے اعضاء کے آگے ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اور ان کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا گردانتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر دو حالتوں میں دنیا فساد اور بگاڑ کی آماجگاہ بن کر رہتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسانوں پر انسانوں کی حکم رانی کا ناپاک کھیل شروع ہوتا ہے۔ پھر بعض لوگوں کے ہاتھوں میں دولت و طاقت مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کے ذریعہ سے عوام الناس کا استحصال کیا جاتا ہے۔

خواہ اس ملک کی بات کی جائے یا دنیا کے کسی بھی خطہ کی ہر جگہ ظلم کی اس چکی میں انسانیت کراہ رہی ہے۔ روتی بلکتی انسانیت کے درد کا درماں کرنے کے لئے مختلف لوگ زخموں پر پھاہہ رکھنے کی کوشش مختلف انداز سے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کوششوں کا کیا نتیجہ ہونے والا ہے یہ اپنے آپ میں قابل غور بات ہے۔

موجودہ فارم لاز (قانون برائے کاشت) اور اس کے خلاف ہونے والے احتجاج کو ہی لیجئے۔ کاشت کار کی خون پسینہ سے حاصل کی گئی گاڑھی کمائی کو ہر شخص ان کا حق سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دردمند دل ان کو اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ وہ جیسے بھی چاہیں اپنی کمائی میں تصرف کریں۔ لیکن موجودہ متمدن دنیا ایسا سماج تشکیل کرتی ہے جہاں دولت، جاہ و اقتدار چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتا ہے۔ جمہوری طرز حکومت جس کو مغرب و مشرق کے تمام ممالک دل سے قبول کئے بیٹھے ہیں، آج چند ہاتھوں میں ناچ رہی ہے۔ دنیا بھر میں جمہوریت کا چیمپئن سمجھا جانے والا امریکہ بہادر ہو یا اپنے آپ کو سب سے بڑی جمہوریت کہنے والا بھارت، ہر جگہ اقتدار سماج کی اشرافیہ (Elite Class) کے مقاصد کو پورا کرتا نظر آتا ہے۔ دانشوروں کی مانیں تو حکومت، عدلیہ اور پولس کا سرمایہ داروں کے ساتھ ہونے والے ناپاک گٹھ جوڑ کی وجہ سے جمہوریت نے Oligarchy (اشرافیہ کی حکومت) کا روپ دھار لیا ہے۔

موجودہ معاشی نظام کی صورت حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہے جس میں دولت پر چند مہاجن کنڈلی ڈالے بیٹھے ہیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دنیا کی ایک فی صد آبادی کے پاس کل آبادی (ساڑھے سات ارب) کے سرمایہ سے دوگنا سرمایہ موجود ہے۔ خود ہمارے ملک کی دس فی سد آبادی ملک کے کل سرمایہ کے ۷۷ فی صد پر قبضہ کئے بیٹھی ہے۔ موجودہ حزب اقتدار کی پالیسیوں کی وجہ سے ہمارا ملک اس نظام کی طرف پہلے سے کچھ تیز رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اب ان فارم لاز (قانون برائے کاشت) کو ہی لیجئے، حکومت کی مانیں تو یہ قانون کاشت کاروں کے لئے ملک کی تمام منڈیوں میں اپنا مال بیچنے کا موقع پیدا کرے گا۔ مذید یہ کہ ان کے اوپر دوسرے علاقوں کی منڈی میں پیداوار بیچنے پر کوئی اضافی Tax نہیں لگے گا، جس کی وجہ ان کو زیادہ منافع ملے گا۔ اس طرح وہ جہاں زیادہ دام پائیں اپنا مال بیچ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کاغذی کاروائیوں کے جھمیلوں سے بھی ان کو نجات ملے گی۔

حکومت نے اس قانون ن پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے اس کی خلاف ورضی کرنے والوں کو سخت سزا دینے کا انتظام بھی کیا ہے۔ لیکن کاشت کاروں اور دیگر تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ منڈی کے نظام کے ختم ہونے پر کاشت کار مجبور ہوں گے کہ وہ اپنی پیداوار سرمایہ داروں کے ہاتھوں کم منافع پر بیچیں۔ مذید یہ کہ اس خرید و فروخت میں ایم۔ ایس۔ پی۔ (Minimum Sale Price) کی سہولت بھی ختم ہو جائے گی۔ اور وہ پوری طرح کمپنیوں کے مالکان کے مرہون منت ہو جائیں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کی پیداوار تو پہلے سے ہی ملک کے مختلف علاقوں میں جاتی تھی، مطلب یہ کہ مذکورہ سہولت سے ان کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا بلکہ سرمایہ داروں کو ہی آسانی ہوگی۔ کاشت کاروں کو چالاک تاجران اور مالکان بہت آسانی سے بے وقوف بھی بنا سکتے ہیں۔ مزید یہ کہ کاشت کاروں اور تاجران کے بیچ کوئی تنازعہ ہوگا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کاشت کاروں کے حقوق مارے جائیں گے، کیونکہ سرمایہ داران حکومتی مشینری کو اپنے اشاروں پر نچاتے نظر آتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان لبھاؤنے جملوں کے پیچھے جو مذموم مقاصد کارفرماں ہیں وہ یہ کہ حکومت اپنے احکام کے ذریعہ کاشت کاروں کو سرمایہ داروں کا بندھوہ مزدور بنانے کی تیاری کر چکی ہے۔ اس لئے کاشت کاروں کی جانب سے کیا جانے والے احتجاج حق بجانب ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا احتجاج کا کچھ نتیجہ نکلے گا؟ کیا حکومت کاشت کاروں کو ان جائز کے حقوق ادا کرے گی؟ سوال یہ بھی ہے کہ حکومت نے غریب دشمن قانون کیوں بنایا اور اتنے شدید احتجاج کے باوجود بھی ان کو واپس لینے کے لئے کیوں نہیں تیار ہے؟

ذرا گہرائی میں جائیں تو پتا چلے گا کہ موجودہ حکومت بھی عالمی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کا حصہ ہے اور اسی خاکہ میں رنگ بھرتی ہے جو اس کے عالمی آقاؤں نے بنا رکھے ہیں۔ چونکہ اس نظام کی بنیاد میں ہی میں یہ بگاڑ موجود ہے کہ وہ انسانیت کو خدا بے زار بناتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں چند لوگ تمام انسانیت پر راج کرتے نظر آتے ہیں۔ عوام کی حکومت، سرمایہ کی مساوی تقسیم، حقوق و اختیار کی برابی، "سب کا ساتھ سب کا وکاس" جیسے جھوٹے نعروں کی چکا چوندھ سے مزئین اس نظام کا باطن چنگیز سے بھی تاریک تر ہے۔

مجلس آئین و اصلاح و رعایات حقوق
طب مغرب میں مزہ میٹھے اثر خواب آوریں

یعنی نظام حاضر کے جسم پر مختلف اوقات میں ابھرنے والے زخم بتا رہے ہیں کہ بیماری سنگین ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم بیماری کی جڑ کو پکڑیں۔ ہم کو چاہئے کہ اس نظام کے ذریعہ سے انسانیت کو مختلف انداز سے جو پریشانیاں جھیلنی پڑ رہی ہیں ان تمام کو ہم جوڑ کر دیکھیں۔ اور تمام باتوں پر مربوط انداز سے نگاہ ڈالیں۔ اس نظام کی خامیوں کو واضح کر کے بیان کریں۔ لوگوں کو بتائیں کی اصل مسئلہ کیا ہے۔ اور ان کے سامنے معروضی انداز سے متبادل حل پیش کریں۔ یہی انسانیت کی بہترین خدمت ہے۔

درسِ قرآن

بسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

ابن مظفر فلاحی

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُواْ عَلَيْهَا قُل لِّلّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (142) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِن كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى
الَّذِينَ هَدَى اللّهُ وَمَا كَانَ اللّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (143) قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ
أُوْتُواْ الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (144) وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ بِكُلِّ
آيَةٍ مَّا تَبِعُواْ قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءكَ
مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَاً لَّمِنَ الظَّالِمِينَ (145) الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ
لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (146) الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (147) وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُواْ
الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُواْ يَأْتِ بِكُمُ اللّهُ جَمِيعاً إِنَّ اللّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (148) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (149) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلاَّ الَّذِينَ ظَلَمُواْ مِنْهُمْ فَلاَ تَخْشَوْهُمْ
وَاخْشَوْنِي وَلأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (150) كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا
وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُواْ تَعْلَمُونَ (151) فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُواْ لِي وَلاَ
تَكْفُرُونِ (152) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (153)

ترجمہ: عنقریب کہیں گے لوگوں میں سے احمق اور بیوقوف (لوگ) کس چیز نے پھیر دیا انہیں اس قبلے سے جس پر یہ تھے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی کے ہیں مشرق اور مغرب! وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے دیتا ہے۔ اور (اے مسلمانو!) اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہو۔ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر (اے نبی!) آپ پہلے تھے مگر یہ جاننے کے لیے (یہ ظاہر کرنے کے لیے) کہ کون رسول ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور کون پھر جاتا ہے الٹے پاؤں! اور یقیناً یہ بہت بڑی بات تھی مگر ان کے لیے (دشوار نہ تھی) جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ہر گز تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انسانوں کے حق میں بہت ہی شفیق اور بہت ہی رحیم ہے۔ (اے نبی ﷺ!) بلاشبہ ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھتے رہے ہیں سو ہم پھیرے دیتے ہیں آپ کو اسی قبلے کی طرف جو آپ کو پسند ہے تو بس اب پھیر دیجیے اپنے رخ کو مسجد حرام کی طرف! اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی تم ہو، اب اپنا چہرہ (نماز میں) اسی کی طرف پھیرو۔ اور یہ لوگ

جنہیں کتاب دی گئی تھی جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو وہ کر رہے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان اہل کتاب کے سامنے ہر قسم کی نشانیاں پیش کردیں تب بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ ہی اب آپ پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلے کی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ! بالفرض) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے تو بلا شبہ آپ بھی ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں البتہ ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے۔ یہ حق ہے آپ ﷺ کے رب کی طرف سے۔ (حق وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے۔) تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ بنیں۔ ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے تو تم نیکیوں میں سبقت کرو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تم سب کو جمع کر کے لے آئے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جہاں کہیں سے بھی آپ ﷺ نکلیں تو (نماز کے وقت) آپ اپنا رخ پھیر لیجیے مسجد حرام کی طرف اور یقیناً یہ حق ہے آپ ﷺ کے رب کی طرف سے اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو۔ اور جہاں کہیں سے بھی آپ نکلیں تو آپ اپنا رخ (نماز کے وقت) مسجد حرام ہی کی طرف کیجیے اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی تم ہو تو (نماز کے وقت) اپنے چہروں کو اسی کی جانب پھیر دو تا کہ باقی نہ رہے لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل سوائے ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ تو (اے مسلمانو!) ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت تمام کر دوں اور تا کہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔ جیسے کہ ہم نے بھیج دیا ہے تمہارے درمیان ایک رسول خود تم میں سے۔ وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاک کرتا ہے (تمہارا تزکیہ کرتا ہے) اور تمہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی اور تمہیں تعلیم دیتا ہے ان چیزوں کی جو تمہیں معلوم نہیں تھیں۔ پس تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو، میری ناشکری مت کرنا۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ جان لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ربط: اب ان آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کے ایک اہم مذہبی بگاڑ کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے مذہبی رسوم وعلامت کو ہی اصلاً دین بنالیا تھا۔ اللہ و رسولؐ کے احکام زیادہ جان لینے کے باوجود کہ اللہ و رسول کا حکم کیا ہے، وہ اپنے مذہبی رسوم وعلامات کو ہی اصل سمجھنے پر بضد رہے۔ ان کے اسی قومی مزاج کے سبب اب انکی قومی حالت وحیثیت اس بات کا تقاضہ کر رہی تھی کہ انہیں منصب امامت سے معزول کر دیا جائے۔

تشریح: ☆ قبلہ کی حیثیت اقوام کے مرکز کی ہوتی ہے۔ قبلہ قوم کو دوسری اقوام سے منفرد بناتا ہے۔ اسلام کا دعوی یہ تھا کہ اس کی دعوت کوئی نئی نہیں ہے بلکہ وہی دعوت ہے جو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دیگر سابقہ انبیاء لے کر آئے تھے۔ اس پر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اگر وہی دین ہے تو پھر قبلہ الگ کیوں؟ تو ان سے کہا جا رہا ہے کہ عقل کے اندھو! مشرق ومغرب سب اللہ کا ہی ہے وہ جب چاہے اور جو چاہے حکم دے۔ اس کے حکم کی اطاعت ہی اصل ہدایت ہے۔

☆ مسلمانوں کو الگ قبلہ عطاء کیا گیا۔ اس سے امت محمدیہ دوسری اہل کتاب ہوگئی۔ امت محمدیہ کو ایک اہم امت کی حیثیت عطاء کی گئی اور وہ حیثیت ہے امت وسط کی۔ حضرت محمد ﷺ کی آمد سے قبل کا ایک دور تھا۔ آپ ﷺ کی آمد کے بعد سے رہتی دنیا تک ایک دوسرا دور ہے۔ ان دونوں ادوار کے درمیان آپؐ اور آپؐ کے ساتھی صحابہ کرامؓ ہیں۔ اب رہتی دنیا تک آپؐ ہی تمام بنی نوع انسانی کے نبی ہیں اور یہ امت بنی نوع انسانی کے سامنے اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام ایک نظام حیات ہے۔ اور یہی تمام انسانیت کی بھلائی وخیر خواہی کا مذہب ہے۔

نبی آخرالزماں ہی اب پوری بنی نوع انسان کے قائد واسوہ ہیں۔ آپؐ کی تعلیم کی بنیاد پر ہی ایک پرامن انصاف پر مبنی حکم رانی قائم کی جاسکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ شہادت دینے کی اسی ذمہ داری کے سبب اس امت کو امت وسط کہا گیا ہے۔

☆ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کی وجہ سے وہ لوگ جو دین بنی اسرائیل کے متبعین تھے، انہیں بڑا شاق گذرا کیوں کہ اب دنیا میں وہی ایک اہل قلبہ قوم تھی۔ اپنی اس خصوصیت پر وہ بہت نازاں تھے اور دوسری اقوام پر اپنی برتری جتاتے تھے۔ لیکن اب ایک ایسی قوم بنائی گئی جو انہیں کی طرح

توحید، آخرت و رسالت کا تصور رکھتی تھی اور اپنا ایک قبلہ بھی۔ اس کے سبب بنی اسرائیل کی برتری واہمیت اب ختم ہو رہی تھی۔ امت محمدیہ ان تمام انبیاء کا اقرار کر رہی تھی جو کہ اس وقت تک آ چکے تھے۔ نہ صرف اقرار کرتی تھی بلکہ یہ ثابت بھی کر رہی تھی کہ ان انبیاء کرام کی اصل تعلیمات میں بنی اسرائیل نے تحریف کر ڈالا ہے، ان کی صحیح تعلیم کے وارث امت محمدیہ ہے۔ اپنی ان باتوں کو امت محمدیہ نہ صرف علی الاعلان بیان کر رہی تھی بلکہ بنی اسرائیل کے غلط کو غلط ثابت بھی کر رہی تھی۔ خلاصہ یہ کہ امت مسلمہ کا قبلہ بنی اسرائیل پر بڑا شاق گذرا۔

☆نئی قوم، نیا قبلہ، نیا نبی وہ ایسا کہ جس آمد کی خبر سابقہ انبیاء کرام دیتے آرہے تھے۔ ایسا نبی جس کی آمد کا انتظار صدیوں سے بنی اسرائیل کو تھا۔ تکلیف یہ ہوئی کہ ان کی نسل وقوم میں نہیں آیا بلکہ ایک ایسی قوم میں آیا جن کی عظمت و تاریخی حیثیت کسی بھی طرح ان سے کم نہیں تھی۔ طالبان ہدایت کو تو اس نبی اور اس قبلہ کو تسلیم کر لینا گراں نہ گذرا لیکن جو صرف قومی طور پر اہل کتاب بنے ہوئے تھے ان پر اس نبی اور اس قبلہ کی اتباع بڑی شاق گذری۔

☆ایک نئے قبلہ کی ضرورت کا احساس آپؐ کو تھا۔ کیوں کہ قوم بغیر قبلہ کے بالکل ادھوری رہتی۔ آپؐ کی اسی بے چینی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ خدا آپ کو ایک ایسا قبلہ عطا کرے گا جسے آپ پسند فرمائیں گے۔ وہ قبلہ خانہ کعبہ کی شکل میں عطا کر دیا گیا جو آپؐ کو بہت محبوب تھا۔ اب حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے قبلہ کا خوب خوب پرچار کرو، جہاں بھی ہو اسی کی طرف اپنا رُخ رکھو۔ ہمیشہ اسی کی جانب رخ کر کے نماز پڑھو۔ اس طرح اس نئی قوم کے اندر قبلہ سے محبت وانسیت پیدا ہو گی نیز دوسری اہل قبلہ سے ممتاز نظر آئے گی۔

☆قوم کی زندگی میں قبلہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتی۔ لہذا امت محمدیہ کو بھی چاہئے کہ وہ قبلہ کے معاملے میں سخت ہو۔

☆اہل ایمان اس چکر میں نا پڑیں کہ اہل کتاب سے اپنے قبلہ کی سند حاصل کر لیں۔ اہل کتاب مختلف طرح کا اخلاقی وغیر اخلاقی دباؤ بنانے کی کوشش کریں گے لیکن اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ اس دباؤ میں بالکل بھی نہ آئیں۔ ان کے دباؤ میں آنا ظلم ہوگا۔

☆اے نبی! یہ اہل کتاب آپ کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں البتہ ان کے علماء اور احبار اپنی عوام سے حق کو چھپا رہے ہیں۔ ایک طرف تو اہل کتاب آپ کو پہچان بھی رہے ہیں اور دوسری طرف علماء ورحبان کی مخالفت عوام کو آپؐ کے تعلق سے شک میں مبتلا کر رہی ہے۔ ایسے متشککین سے بچ کر رہنا چاہئے اور انہیں چاہئے کہ مکمل شرح صدر کے ساتھ آپؐ پر ایمان لائیں۔

☆اپنے قبلہ کو اہمیت دو اور جہاں بھی رہو اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ اس طرح لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ اہل کتاب منصب امامت سے معزول گئے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں اب خدا کے احکام اور اس کی مرضی کی علامت و دلیل امت محمدیہ ہی ہے۔ ہدایت کے لیے اب بنی اسرائیل کی طرف دیکھنا گم راہی ہے۔ ان کے درمیان جو ظالمین ہیں، ان سے خوف نہ کھاؤ بلکہ اللہ سے ڈرو۔ ان کی بوکھلاہٹ و دشمنی تم سے اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے نعمت کی تکمیل تم پر کی۔ انہیں بہت ساری نعمتوں سے نوازا (من وسلوی، مائدہ (دسترخوان)، حکم رانی و بادشاہت وغیرہ وغیرہ لیکن جب تکمیل رسالت کا وقت آیا یعنی ختم رسالت کا تو بنی اسرائیل اپنی بداعمالیوں و بدعہدیوں کے سبب اس لائق ہی نہ رہے کہ یہ نعمت انہیں دی جاتی لہذا یہ نعمت بنو اسماعیل کے حصے میں آئی۔ اس محرومی کے بعد انہیں چاہئے تھا کہ وہ اپنا جائزہ لیتے اپنا احتساب کرتے اور آپؐ پر ایمان لا کر اپنے گناہوں کا کفارہ کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ الٹا تعصب و حسد کا شکار ہو گئے اور امت محمدیہ سے دشمنی پر اُتر آئے۔

☆جس طرح محمد ﷺ کو تمہارے درمیان بھیجا جو کہ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، تزکیہ کرتے ہیں، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ کچھ سکھاتے ہیں جو لوگ نہیں جانتے تھے، اسی طرح اللہ نے اس سے قبل بنی اسرئیل میں بھی انبیاء و رسل بھیجے لیکن انہوں نے سرکشی وگم راہی کو پسند کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج معزول کر دیے گئے۔ لہذا اے امت محمدیہ! تم ان جیسی حرکت نا کرنا، مجھے یاد رکھنا تو میں بھی تمہیں نہیں بھولوں گا، میرے شکرگذار رہنا نافرمانی نہ کرنا، ناشکرے نا ہو جانا، ثابت قدمی ونماز کے ذریعہ مدد کے طلب گار رہنا۔ اور یہ جان لو کہ اللہ صابرین کے ساتھ ہوتا ہے۔

بہتر کون؟

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ان المسلم اذا کان یخالط الناس ویصبر علی اذاھم خیر من المسلم الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذاھم

(اخرجہ ابن ماجہ باسناد حسن)

س۔م۔اسلام

حامد ایک دین دار لڑکا ہے۔اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔صبح کو گھر سے نکلتا ہے، آفس جاتا ہے اور شام کو سیدھا گھر لوٹ آتا ہے۔محلے کے لوگوں سے زیادہ میل جول نہیں رکھتا۔نہ تو وہ محلے کے زیادہ تر لوگوں کو پہچانتا ہے اور نہ محلے کے اکثر لوگ اسے جانتے ہیں۔سودا سلف کے لیے بازار بھی جاتا ہے تو سیدھا بازار گیا اور اپنا سامان لے کر چلا آیا۔محلے کے لوگوں کے جھگڑے جھمیلے میں نہیں پڑتا۔پڑوسیوں کے لڑائی جھگڑے کی آواز آتی رہتی ہے لیکن گھر سے باہر نہیں نکلتا۔سوچتا ہے کہ آخر کیوں جائے انکے درمیان گالی گپتا سننے۔وہ دیکھتا ہے کہ دو لوگ مار پیٹ کر رہے ہیں اسے دیکھ وہ خاموشی سے گھر چلا آتا ہے۔سوچتا ہے کہ آخر کیا ضرورت ہے ان کی لڑائی جھگڑے میں دخل دے؟ خواہ مخواہ ایک دو ہاتھ کھانا پڑے۔وہ دیکھتا ہے کہ دو لوگوں میں کیس مقدمہ ہوگیا ہے لیکن وہ ان میں صلح صفائی کی کوشش نہیں کرتا کہ آخر دوسروں کے جھنجھٹ میں کیوں پڑیں۔وہ بازار جاتا ہے لیکن پڑوس کی بیوہ کا سودا سلف نہیں لاتا کیوں کہ اس کی زبان اچھی نہیں، ایک تو سامان لا کر دو دوسرے اچھی بات بھی نہ سننے کو ملے۔اس طرح بالکل سیپریٹ زندگی گذارتا ہے۔اور وہ خوش ہے۔

ماجد، حامد کا بھائی ہے وہ بھی دین دار ہے لیکن وہ بالکل اس سے اُلٹ ہے۔محلے کے بچے بوڑھے سبھی اسے جانتے پہچانتے ہیں۔وہ بھی ہر ایک سے واقف ہے۔محلے کے سبھی لوگ اس سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کی ضرور مدد کرے گا۔ہر جھگڑے کو سلجھانے میں اپنا وقت ہی کیا مال تک بھی لگا دیتا ہے۔مصیبت و پریشانی کسی پر آئے وہ اسے اپنی پریشانی سمجھ کر حل کرتا ہے۔غرض یہ کہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جس کی اصلاح وحل میں اس کا کوئی کردار نہ ہو۔اس سلسلے میں وہ کبھی کبھی گالیاں بھی سُن لیتا ہے۔لوگوں کے مسائل حل کرنے میں اپنا نقصان بھی کر بیٹھتا ہے۔لیکن اس سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔وہ سوچتا ہے کہ گالیاں سن ہی لی تو کیا ہوا؟ ایک تھپڑ مجھے لگ ہی گیا تو کیا ہوا؟ جھگڑا تو ختم ہوگیا۔ایک فتنہ تو معاشرے سے ٹل گیا۔برے لوگ اسے برا سمجھتے ہیں اور اچھے لوگ بھی کبھی کبھی اسے برا کہہ بیٹھتے ہیں۔لیکن وہ معاشرے کی ہر پریشانی میں لوگوں کے لیے کھڑا رہتا ہے۔

یے دونوں بھائی ہیں گھر والے ماجد کے بالمقابل حامد کو زیادہ پسند کرتے ہیں، لیکن اللہ ورسولؐ کے نزدیک ماجد کا مقام حامد سے زیادہ ہے۔

اسرائیل کی تعمیر میں

اشتراکی ممالک کا کردار

(موجودہ تاریخ عرب کے دو بڑے المیے)

(خلیل احمد حامدیؒ؛ قسط ۱)

پچھلے ۲۰ سالوں کے اندر عرب قوم دو زبردست المیوں سے دوچار ہوئی ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ء میں اور دوسری مرتبہ جون ۱۹۶۷ء میں، پہلا المیہ یہ تھا کہ یہودیوں نے فلسطین کا اکثر و بیشتر حصہ عربوں سے چھین لیا اور اسرائیلی ریاست کی داغ بیل ڈال دی۔ دوسرا المیہ درحقیقت ایک فوجی حادثہ تھا، جس نے پوری عرب دنیا کو تاریخ کے سب سے اہم اور پُرخطر نفسیاتی بحران میں مبتلا کردیا۔ یہ بحران اپنے کچھ نتائج رکھتا ہے، اس کے کچھ ضمنی اسباب ہیں اور خارجی دنیا میں عربوں کی شہرت اور وقار پر اس کے دُور رس اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس نئے المیہ کے نتائج و عواقب اپنی ہولناکی کے لحاظ سے اُن تمام آزمائشوں سے زیادہ خطیر و شدید ہیں جو عربوں نے اپنی قدیم تاریخ یا جدید تاریخ میں آج تک بھگتی ہیں۔ یہ المیہ صحیح معنوں میں بلاخیز فتنہ ہے، اسے ایسی عارضی شکست قرار نہیں دیا جاسکتا، جس کے اثرات بسرعت زائل ہوسکتے ہیں۔

پہلے حادثہ میں جو دراصل بین الاقوامی سازش سے عبارت تھا، ہم نے فلسطین کے پورے رقبہ میں سے تین چوتھائی کھویا تھا، ۵۵ فیصد تو یو این او کی اس قرار دادِ تقسیم کی نذر ہوگیا جس کی تائید میں مغرب بھی تھا اور مشرق بھی اور مزید ۲۲ فیصد جولائی ۱۹۴۸ء کی جنگوں میں گنوا دیا۔ دوسرے حادثۂ فاجعہ کو، جس میں عرب بمشکل چھ روز تک میدانِ جنگ میں ٹھہر سکے، پہلے حادثہ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے حادثہ میں جو آفتیں ٹوٹی ہیں اور جس قدر تباہی و بربادی ہوئی ہے اور جان و مال اور اسلحہ کا جو بھاری بھرکم نقصان ہوا ہے۔ اُسے پہلے حادثہ سے کوئی مشابہت ہی نہیں ہے۔ مزید براں دوسرے حادثہ میں یہ بھی ہوا ہے کہ اسرائیلی فوجوں نے بیت المقدس سمیت اُردن کا پورا مغربی حصہ غزہ کے علاقے صحرائے سینا، سویز کا مشرقی کنارہ، آبنائے تہران اور شامی حدود میں گولان کی ان تمام پہاڑیوں کو ہتھیا لیا ہے جو بحیرہ طبریہ اور الحولہ کے میدانی علاقے کے لیے حصار کا کام دیتی تھیں۔ اس جنگ میں عربوں کے مالی نقصان کا اندازہ تین ارب ڈالر لگایا گیا ہے۔

پہلے حادثے میں عربوں نے متعدد غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا مگر اُن سے کچھ سبق حاصل نہیں کیا گیا اور فلسطین کے مقبوضہ علاقوں کو واگذار کرانے اور زندگی وموت کی بھرپور جنگ لڑنے کے لیے غلطیوں کی تلافی کی کوئی کوشش نہیں کی گئی بلکہ سالہاسال تک متواتر پچھلی غلطیوں کا اعادہ اور مزید غلطیوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ ایک دوسرے کے خلاف مہمات چلتی رہیں۔ دجل وفریب کے ہتھکنڈے جاری رہے طرح طرح کے سیاسی نعروں کے ہتھیار فراہم کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی گئی۔ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ ان تمام کارروائیوں کا ماحصل اس حادثے کی شکل میں رُونما ہوا جسے ہم دوسرے عظیم المیہ سے تعبیر کرچکے ہیں۔

عرب عوام حقائق سے بے خبر ہیں

رہے بے چارے عرب عوام، جو صحیح تربیت اور صحت مندانہ رہنمائی کے شدید محتاج ہیں، مسئلہ فلسطین کے بارے میں ان کی تمام معلومات محض سطحی اور محدود نوعیت کی ہیں۔ انہیں یہ تو معلوم ہے کہ اسرائیل کو قائم کرنے اور مضبوط بنانے میں امریکہ، برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک نے کیا کردار ادا کیا ہے۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ اس معاملہ میں روس اور اشتراکی ممالک کا کردار کیا رہا ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے اسرائیل کی مادّی، اخلاقی اور سیاسی پشت پناہی، فلسطین کے اندر یہودیوں کے قومی وطن کے قیام

کے لیے تھیوڈ ہرٹزل (۱۸۹۷ء) کا منصوبہ، لارڈ بالفور کا اعلان (۱۹۱۷ء)، اقوام متحدہ کی قرارداد (۱۹۴۷ء) اسرائیل کے قیام (۱۹۴۸ء) اور اسرائیل کو بین الاقوامی انجمن کا رکن بنا لینے کی منظوری (۱۹۴۹ء) یہ تمام حقائق تو بلاشبہ معلوم و معروف ہیں اور کسی دلیل و تشریح کے محتاج نہیں ہیں لیکن جو حقائق ابھی تک پردۂ راز میں ہیں، وہ روس کے بالشویک انقلاب کا وہ مؤثر کردار ہے جو اس نے سرزمین عرب کے اندر صہیونیوں کے پاؤں مضبوط کرنے کے سلسلے میں ادا کیا ہے اور وہ گراں امداد یں ہیں جو اسرائیل کو سوشلسٹ اور کمیونسٹ کیمپ کی طرف سے ملی ہیں اور وہ معاہدے ہیں جو روس اور اسرائیل کے مابین قائم ہوتے رہتے ہی اور وہ خفیہ تعلقات ہیں جو صہیونی تحریک اور مارکسی تحریک کے درمیان وقتاً فوقتاً استوار ہوئے ہیں۔ اسی ناواقفیت کی بدولت عرب اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فلسطین کی آزادی کے معاملہ میں وہ ان ممالک پر اعتماد کر سکتے ہیں۔

صہیونی سازشیں

کارل مارکس یہودی کی پیدائش اور اس کے کمیونسٹ نظریہ کی اشاعت سے بہت پہلے یعنی پندرہیں اور سولہویں صدی کے درمیان خفیہ تحریکیں اور یہودی مصنفین برابر یہ کوشش کرتے رہے کہ مسیحی کلیسا اور پاپائیت کے نظام کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ یہودیوں کی یہ سازشیں اور منصوبے متعدد بار منکشف ہوئے، جن کی وجہ سے یورپ میں بالمعموم ان کے خلاف غم وغصہ کے جذبات پھیل گئے، بلکہ اسی کے نتیجے میں یہودیوں کی بڑی بڑی آبادیوں کے خلاف فرانس اور اسپین اور دوسرے ملکوں میں خونریز ہنگامہ برپا ہوئے اور یہودیوں کی کثیر تعداد ان ہنگاموں کی نذر ہوئی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں خود روس کے اندر سلطنتِ زار کے تحت یہودیوں کا جو قتل عام ہوا ہے، وہ علمائے تاریخ سے مخفی نہیں ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف تاریخ سلاطین یورپ [سترہویں تا انیسویں صدی عیسوی] باب ''یورپ میں عیسائیت کی تاریخ طبع دوم ۱۸۷۰ء)

یہودی ربیوں کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں جب صہیونی تحریک ناکام ہوگئی، تو اس نے مارکسزم کا حربہ ایجاد کیا، اور اس نے اس نظریے کو یورپ میں فلسفیانہ اسلوب اور معاشرتی انقلاب کے رنگ میں فروغ دینا شروع کیا مگر درحقیقت اس کا اصل مدعا یورپ کی روحانی اقدار اور معاشرتی روایات کا تیاپانچہ کرنا تھا کہ صہیونیت کو یورپ پر غلبہ حاصل ہوجائے اور پھر مشرق کی جانب پیش قدمی شروع کردے۔ (تاریخ تحریکِ صہیونیت مطبوعہ پیرس ۱۹۵۰ء)

اکثر اشتراکی لیڈر یہودی ہیں!

ان صہیونی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے دوران ہوا اس معاملے میں نظام جاسوسی نے مختلف پہلوؤں سے بہت بڑا رول ادا کیا۔ عہد زار میں روس کے اندر، جو اس وقت فرانس اور برطانیہ کے حلیفوں میں سے تھا، مارکسی تحریک کے خفیہ اڈے جرمنی کے نظام جاسوسی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ اس وقت مارکسی تحریک کی لیڈرشپ پر جو لوگ قابض تھے اُن میں سے ایک لینن تھا، دوسرا ٹراٹسکی، تیسرا کاگانووچ اور چوتھا کارل راڈیک۔ لینن کی بیوی یہودی تھی اور خود بھی یہودی ماں کا بیٹا تھا اور اس کی دادی بھی یہودیہ تھی۔ ٹراٹسکی کے ماں اور باپ دونوں یہودی تھے۔ کاگانووچ کا باپ یہودی تھا اور ماں گمنام اور کارل راڈیک کا پورا گھرانہ سخت روایت پرست یہودیوں میں شمار ہوتا تھا۔ جب زار کی خفیہ پولیس نے خفیہ مارکسی تحریک کی کمین گاہوں پر چھاپے مارے تو لینن اور اس کے چند دوسرے ساتھی جو پولیس کی گرفت سے بچ نکلے جرمنی فرار ہوگئے اور وہاں سے سوئٹزرلینڈ پہنچ گئے۔

لینن اور وائسمین کی ملی بھگت:

زیورچ (سوئٹزرلینڈ) میں کارل راڈیک کی موجودگی میں لینن نے مشہور صہیونی لیڈر حاییم وائسمین اور اس کے صہیونی رفیق اور نامور مصنف جاک لیوے، آسٹریا کے یہودی پروفیسر مولیر وڈسیم (جو اشتراکی تحرکی کا رکن تھا) اور پولینڈ کے یہودی پروفیسر ڈیوڈ ھارن سے ملاقات کی۔ نیز لینن اور وائس مین کے درمیان مئی ۱۹۱۶ء میں ایک یہودی صنعت کار دانیال شوین کے مکان پر ملاقاتوں کا طویل سلسلہ جاری رہا، ان تمام ملاقاتوں میں کمیونسٹ کے منصوبے P.R.S.M کا جائزہ لیا گیا۔ جس کا ہدف روس میں زار کی سلطنت کا خاتمہ اور اس کے ملبے پر مارکسی ریاست کا قیام تھا۔ انہی اجتماعات میں ''یہودی منصوبہ برائے مشرق'' P.J.O پر بھی غور وخوض کیا گیا۔

> یہودی ربّیوں کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں جب صہیونی تحریک ناکام ہوگئی، تو اس نے مارکسزم کا حربہ ایجاد کیا، اور اس نے اس نظریے کو یورپ میں فلسفیانہ اسلوب اور معاشرتی انقلاب کے رنگ میں فروغ دینا شروع کیا مگر درحقیقت اس کا اصل مدعا یورپ کی روحانی اقدار اور معاشرتی روایات کا تیاپانچہ کرنا تھا کہ صہیونیت کو یورپ پر غلبہ حاصل ہوجائے اور پھر مشرق کی جانب پیش قدمی شروع کردے۔

یہ منصوبہ ۱۹۰۸ء میں آسٹریلیا میں ایک ایسی کمیٹی نے وضع کیا تھا جو یورپ کے اشتراکی یہودیوں کے قائدین پر مشتمل تھی۔ اس منصوبے کا مقصد یہودی قوم کے لیے مشرق کا دروازہ کھولنا تھا، تاکہ یہودی قوم فلسطین میں اُتر سکے اور وہاں ایک سوشلسٹ ریاست کی تاسیس کے بعد وہ شرقِ اوسط کے تمام ممالک کے اندر کسی فلسفے کی نشر و اشاعت کا مرکز بن سکے۔

ان اجتماعات کی کارروائی جاک لیوے نے قلم بند کی تھی جو فرانس کی خفیہ پولیس کی الساس برانچ کا ایجنٹ تھا۔ جاک لیوے کے بیان کے مطابق لینن نے گفت و شنید کے دوران وائسمین سے کہا۔

''روسی انقلاب کی کامیابی کی بدولت ہی یہود یورپ کے سلاطین اور حکام کے کابوس سے نجات پاسکتے ہیں، اور انہیں حکومت کے اندر اعلیٰ مراتب حاصل ہوسکتے ہیں اور ان کا وقار اور تشخص بحال ہوسکتا ہے۔ یہ انقلاب پراگندہ حال یہودی قوم کا وہ مقصد پورا کردے گا، جسے پورا کرنے سے ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب بھی عاجز رہا ہے۔ جونہی رُوس کی سرزمین سے زار کی بساط لپٹی اور کلیسا کی فرماں روائی ختم ہوئی، وہاں ایک خالصۃً مارکسی ریاست قائم کردی جائے گی۔ جس کی تعمیر اُن بنیادوں پر استوار ہوگی۔ جن کا مقصد مغرب اور مشرق میں طویل المعیاد منصوبوں کی تکمیل ہے۔''

وائس مین نے اس نظریہ پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''یہود کے لیے مشرق کا دروازہ اسی وقت کھل سکتا ہے کہ عثمانی سلطنت کو کلیۃً مسمار کردیا جائے۔ عثمانی سلطنت اگر محو ہوگئی تو اس کے ساتھ ہی وہ تمام دیواریں اور رکاوٹیں زائل ہوجائیں گی جو ''ارضِ موعود'' کی طرف پیش قدمی کرنے میں حائل ہو رہی ہیں۔ عثمانی سلطنت کا چراغ اب گل ہوا چاہتا ہے۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ جونہیں روس کا اشتراکی انقلاب اپنی منزل کو پہنچ جائے۔ فلسطین کے اندر اشتراکی بنیادوں پر دولتِ یہودہ کی داغ بیل ڈال دی جائے۔''

لینن اور اس کے مجوزہ انقلاب کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سانٹینے اپنی کتاب ''صہیونیت اور بالشویک انقلاب'' میں جو ۱۹۲۶ء میں میلانو سے شائع ہوئی تھی لکھتا ہے:

''صہیونیوں کی اشتراکی تحریک صنعتی اور لاطینی یورپ کے اندر اس طرز کے انقلابات بھڑکانے میں ناکام ہوگئی جس طرز کا انقلاب اس نے زار کے روس میں بالشویک انقلاب کے عنوان سے بھڑکایا تھا۔ زار کا روس درحقیقت ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوا جو ۱۹۲۷ء میں اس سرزمین پر نافذ کی گئی۔ روسی قوم یہ سمجھتی ہے، جیسا کہ اس کے ذہن میں ڈالا گیا ہے، بالخصوص مزدوروں اور کسانوں کا طبقہ کہ لینن روسی انقلاب کا بطل وحید ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی تحریک کے تمام زعماء یہود تھے ٹراٹسکی کی قیادت میں انہوں نے یہ منصوبہ سرانجام دیا۔ یہودی مصنف جاک فیوے نے لیل شہر کے اپنے ایک ڈاکٹر دوست البرٹ ہوان کو ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جو خط لکھا ہے اس میں وہ بغیر لاگ لپیٹ کے کہتا ہے ''میں نے لینن کو زیورچ میں خوب پہچان لیا تھا، جہاں ایسے متعدد اجتماعات منعقد ہوئے تھے جن میں اشتراکی تحریک کے رہ نماؤں نے شرکت کی تھی۔ صہیونی جمعیت کا جنرل سیکریٹری حاییم وائس مین بھی ان میں شریک ہوا تھا ـــــــــ لینن ایک انقلابی آدمی ہے اس نے جتنے بھی کارنامے انجام دیے ہیں، ان سب میں وہ ٹراٹسکی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ شخص کسی ایسی قوم کی قیادت کا اہل نہین ہے جس کے عوام پڑھے لکھے اور بیدار مغز ہوں''۔۔۔(جاری)۔۔

بابری مسجد کے قضیہ نے اتار دیے نقاب

افتخار گیلانی

6 دسمبر 1992 کی رات، بی بی سی نے اپنی نشریات روک کر اعلان کیا کہ اتر پردیش کے شہر فیض آباد سے سنڈے آبزرور کے نمائندے قربان علی لائن پر ہیں اور وہ ابھی ابھی ایودھیا سے وہاں پہنچے ہیں۔ اگلی پاٹ دار آواز قربان علی کی تھی۔ جس میں انہوں نے دنیا کو بتایا کہ مغل فرمانروا ظہیر الدین بابر کی ایما پر تعمیر کی گئی بابری مسجد اب نہیں رہی۔ جس وقت وہ ایودھیا سے روانہ ہوئے، وہ ملبہ کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس دن 12 بجے کے بعد سے کسی بھی میڈیا یا ادارے کا ایودھیا میں موجود اپنے رپورٹروں سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ حکومت دعویٰ کر رہی تھی کہ ایک ہجوم نے مسجد پر حملہ کر کے اس کو معمولی نقصان پہنچایا اور سکیورٹی دستوں نے ان کو کافی پیچھے دھکیل دیا ہے۔ ہندو قوم پرست تنظیموں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) اور ویشو ہندو پریشد (وی ایچ پی) نے جب رام مندر تحریک شروع کی، تو میں بھی تقریباً اسی وقت دہلی میں صحافت کی تعلیم مکمل کر رہا تھا۔ ایل کے ایڈوانی کی رتھ یاترا جب چاندنی چوک سے گزر رہی تھی، تو میں سڑک کے کنارے ہوا میں تلواریں اور بھالے لہراتے ہجوم کو جے شری رام، مندر وہی بنائیں گے اور بابر کی اولادوں کے نام انکی دشنام طرازی کے نعرے بلند کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ گو کہ آنجہانی پرمود مہاجن اس یاترا کے چیف آرگنائزر تھے، مگر دہلی میں بی جے پی کے دفتر میں موجودہ وزیر اعظم نریندر مودی اس کے متعلق پروگرام وغیرہ کی بریفنگ دیتے تھے۔ خیر پچھلے سال نومبر میں سپریم کورٹ کے عجیب و غریب فیصلہ کے بعد تو مسجد ایک قصہ پارینہ بن ہی گئی تھی، اب پچھلے ہفتے اس کو مسمار کرنے والوں کو بھی اتر پردیش صوبہ کے شہر لکھنو کی خصوصی عدالت نے بری کر کے انصاف کو دفن کرنے کا مزید سامان مہیا کروا دیا۔ پچھلے 28 سالوں سے جس طرح اس مقدمہ کی ٹرائل ہو رہی تھی، اس سے کچھ زیادہ امیدیں تو نہیں بندھی تھیں، مگر سپریم کورٹ نے جب مسجد کی زمین ہندو بھگوان رام للا کے سپرد کی، تو مسلم فریق کے تین اہم دلائل کو بھی تسلیم کر کے فیصلہ میں شامل کر دیا۔ عدالت اعظمیٰ نے یہ تسلیم کیا کہ 1949ء کو رات کے اندھیرے میں مسجد کے محراب میں بھگوان رام کی مورتی رکھنا اور پھر دسمبر 1992ء کو مسجد کی مسماری مجرمانہ فعل تھے۔ اس کے علاوہ عدالت نے آثار قدیمہ کی تحقیق کا بھی حوالہ دیکر صاف کر دیا کہ 1528ء میں جس وقت مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، اس وقت کسی عبادت گاہ کے آثار نہیں ملے۔ ہاں، کھدائی کے دوران، جو اشیاء پائے گئے، ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے، کہ اس جگہ پر 11 ویں صدی میں کوئی عمارت موجود تھی، جو تباہ ہو چکی تھی۔ یعنی 500 سالوں تک اس جگہ پر کوئی عمارت موجود نہیں تھی۔ ان دلائل سے ایک موہوم سی امید جاگ اٹھی تھی، کہ چاہے مسجد کی زمین پر ایک پر شکوہ مندر کی تعمیر شروع ہو چکی ہے، مگر اس عبادت گاہ کو مسمار کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیکر ایک مثال قائم کی جائیگی۔ مگر 2000 صفحات سے بھی زائد اپنے فیصلہ میں خصوصی عدالت کے جج سریندر کمار یادو نے سپریم کورٹ کی ہدایت اور تمام ثبوتوں کو درکنار کرتے ہوئے تمام 32 ملزمان کو بری کر دیا۔ جس طرح اس کیس کی ٹرائل ہو رہی تھی، اس کا میں خود گواہ ہوں۔ استغاثہ نے جن 351 گواہوں کی فہرست کورٹ میں دی تھی، اس میں سے تین شخص میرے قریبی رفیق تھے، ان سے متواتر معلومات ملتی رہتی تھیں۔ نریندر مودی کی آمد تو 2014 میں ہوئی، اس سے قبل سیکولر

جماعتوں سماج وادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی، جن کی سانسیں ہی مسلمانوں کے دم سے ٹکی ہوئی تھیں، بابری مسجد کی مسماری کے ملزمان کے خلاف کارروائی کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔حتیٰ کہ ایک معمولی نوٹیفکیشن تک کا اجراء نہیں کرسکیں جس سے خصوصی عدالت میں ان افراد کے خلاف مقدمہ چلایا جاسکتا۔اور جب نوٹیفکیشن جاری کی تو اسمیں تکنیکی خامیاں تھیں، جن کو خدا کرکے 2010 میں الٰہ آباد ہائی کورٹ کہنے پر دور کیا گیا اور سبھی مقدموں کو یکجا کرکے لکھنو کی خصوصی عدالت میں سماعت شروع ہوئی۔معروف فوٹو جرنلسٹ پروین جین نے نہ صرف 6 دسمبر کے دن بابری مسجد کی مسماری کی تصاویر لیں تھیں، بلکہ اس سے کئی روز قبل ایودھیا کے نواح میں کارسیوکوں کے گروپ میں شام ہوکر ریہرسہل میں حصہ لیکر اس کو تصویریں بھی کیمرہ میں محفوظ کردی تھیں۔ان کے اخبار دی پائینیر نے مسجد کے مسمار ہونے کے بعد ان کو شائع کیا تھا۔استغاثہ نے ان کو بطور گواہ بنایا تھا۔اس دوران انکو کس طرح ہراساں و پریشان کیا جاتا تھا اور کورٹ میں حاضری کے دن ان کو وکیلوں و عدالتی اسٹاف کے معاندانہ رویہ کا کس طرح سامنا کرنا پڑتا تھا، یہ خود ایک درد بھری داستان ہے۔سمن آنے پر مقررہ تاریخ سے ایک روز قبل وہ دہلی سے بذریعہ ٹرین لکھنو کیلئے روانہ ہوتے تھے۔دن بھر عدالت کے باہر ار دلی کی آوا ز کا انتظار کرنے کے بعد بتایا جاتا تھا کہ آج گواہی نہیں ہوگی، کیونکہ یا تو جج موجود نہیں ہے، یا استغاثہ یا وکیل دفاع موجود نہیں ہے۔جین کے بقول کئی سالوں تک اس طرح کی گردشوں کے بعد جب ایک دن ان کو گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا، اور ان کا بیان ریکارڈ ہونے ہی والا تھا، کہ ایک معمر وکیل نے کٹہرے کے پاس آکر اپنا منہ ان کے کان کے پاس لا کر ماں ،بہن کی گالی دیکر دھمکی بھی دے ڈالی۔جین نے بلند آواز میں جج کو متوجہ کرتے ہوئے شکایت کی، کہ ان کو بھری عدالت میں دھمکیاں دی جارہی ہیں۔جج نے حکم دیا کہ ان کو ایک سفید کاغذ دیا جائے، تاکہ یہ اپنی شکایت تحریری طور پر دیں۔شکایت جج کے پاس پہنچتے ہی، وکیل دفاع نے دلیل دی، کہ اب پہلے اس کیس کا نپٹارہ ہونا چاہئے کہ گواہ کو کس نے گالی اور دھمکی دے دی۔اس دوران کورٹ میں ہنگامہ مچ گیا اور گواہی اگلی تاریخ تک ٹل گئی اور بتایا گیا کہ وہ اپنا وکیل مقرر کریں، کیونکہ اب پہلے انکو عدالت میں دھمکانے کا کیس طے ہوگا۔تنگ آکر جین نے یہ کیس واپس لیا اور اصل کیس یعنی بابری مسجد کی مسماری سے متعلق اپنا بیان درج کروانے کی درخواست کی۔اس طرح دوبارہ کئی تاریخوں کے بعد جب گواہی درج ہوگئی تو ان کو بتایا گیا، کہ بس تصویریں کافی نہیں ہیں، 6 دسمبر کے دن ایودھیا میں اپنی موجودگی ثابت کریں۔خیر کسی طرح کئی ماہ کی تگ و دو کے بعد انہوں نے ایودھیا کے ضلعی صدر مقام فیض آباد کے ایک ہوٹل سے پرانا ریکارڈ نکالا اور اپنے پرانے ادارے پائینیر کا ایک سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔مگر اب کورٹ میں ان کو بتایا گیا کہ یہ کاغذات بھی ناکافی ہیں۔آخرکئی دہائی قبل کا ٹرین ٹکٹ ان کو مل گیا اور اب کئی سالوں کے بعد یہ طے ہوگیا کہ وہ اس دن ایودھیا میں تھے مگر اب ان کو بتایا گیا کہ ان کی تصویریں قابل اعتبار نہیں ہیں، اس لئے ان کے نگیٹو پرنٹ کورٹ میں پیش کرنے ہونگے۔

اس دوران دہلی میں ان کی عدم موجودگی میں ان کے فلیٹ پر چوروں نے دھاوا بھول دیا اور پورے گھر کو تہس نہس کرکے رکھ دیا۔گھر کی جو حالت تھی، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ در اندازکسی چیز کو تلاش کررہے تھے۔ان کا کہنا ہے کہ نقدی، زیورات اور دیگر قیمتی سامان غائب تھا، مگر تصویروں کے نگیٹو بچ گئے تھے، کیونکہ وہ انہوں نے کسی دوسری جگہ حفاظت سے رکھے ہوئے تھے۔کورٹ میں مسجد کی شہادت کی تیاری اور باضابط ریہرسہل کرنے کی تصویریں پیش کی گئیں۔معلوم ہوا کہ دو سول انجینیر اور ایک آرکیٹیکٹ مسجد کی عمارت گرانے کیلئے کارسیوکوں کو باضابط ٹریننگ دے رہے تھے۔ان سبھی کے چہرے تصویروں میں واضح تھے۔اسی طرح میرے کشمیری پنڈت دوست سنجے کاؤ بھی ایک گواہ تھے۔انہوں نے مسجد کی شہادت سے قبل باضابط ایک اسٹنگ آپریشن کے ذریعے انکشاف کیا تھا کہ 6 دسمبر کو بابری مسجد کو مسمار کردیا جائیگا۔ان دنوں خفیہ کیمرہ سے اسٹنگ کا رواج نہیں تھا۔کاؤ کے مطابق اخبار اسٹیٹسمین کے دفتر سے رات گئے جب وہ آفس کی گاڑی میں گھر جارہے تھے، تو ڈرائیور نے ان کو بتایا کہ ایودھیا میں اس بار کچھ بڑا ہونے جارہا ہے۔ایڈیٹر نے اگلے دن ان کو ایودھیا جانے کی اجازت دے دی۔مگر کاؤ نے صحافی کے بجائے

ایک کارسیوک کے طور پر جانے کی ٹھانی اور دہلی میں بی جے پی کے دفتر میں سنجے کول کے نام سے اندراج کروا کے کارسیوک کا کارڈ حاصل کیا۔ ہندو اور کشمیری پنڈت ہونے کے باوجود نہ صرف ٹرین میں بلکہ فیض آباد میں اس کا کئی بار انٹروگیشن کیا گیا۔ "شاید میں نیا چہرہ تھا، وہ بار بار شک کی نگاہ سے مجھے دیکھتے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو ایک انجینیرنگ اسٹوڈنٹ بتایا، جس کو کشمیر میں حالات کی خرابی کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑنی پڑی ہے۔" ایودھیا پہنچنے پر ایک بار پھر چھ سات افراد نے انٹروگیشن کیا۔ کشمیری پنڈت ہونے کی دہائی دیکر آخر کار اسکو کارسیوکوں کے ایک گروپ میں شامل کرکے خیمہ میں رہنے کیلئے کہا گیا۔ واکی ٹاکی ہاتھ میں لئے ایک سادھو اس گروپ کا سربراہ تھا، جس نے اگلے دن ایک قبرستان میں لے جا کر ان کو قبریں منہدم کرنے کا حکم دے دیا۔ وہ بار بار انکو تاکید کر رہا تھا کہ ہاتھ چلانا سیکھو۔ کارسیوک آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ اسی طرح مسجد کو بھی توڑنا ہے۔ سادھو نے اسکو خبردار کیا تھا کہ صحافی یا خفیہ محکمہ کا کوئی فرد ان کے آس پاس نہ پھٹکنے پائے۔ بار بار کے انٹروگیشن، ریہرسل اور صحافیوں کے تئیں کارسیوکوں کے رویہ نے کاؤ کو کافی ڈرا دیا۔ رات کے اندھیرے میں وہ خیمہ سے بھاگ کر پہلے فیض آباد اور پھر دہلی روانہ ہوگیا، جہاں اس نے اسٹیٹسمین میں کئی قسطوں میں چھپی رپورٹوں میں بتایا کہ مسجد کی مسماری کی تیاریاں پوری طرح مکمل ہیں۔ دنیا کو مسجد کی شہادت کی خبر دینے والے صحافی قربان علی کے مطابق شام چھ بجے تک تاریخی شاہی مسجد کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہ بی بی سی کے جنوبی ایشیاء کے بیورو چیف مارک ٹلی کے ساتھ کئی روز سے ایودھیا میں مقیم تھے۔ ان کا کہنا ہے گو کہ افواہوں کا بازار گرم تھا، مگر مسجد کی مسماری کا اندازہ نہیں تھا۔ بھارتی وقت کے مطابق 11:30 بجے صبح کارسیوکوں نے مسجد پر دھاوا بول دیا۔ اس کے ساتھ ایک اور گروپ صحافیوں کو ڈھونڈ کر ان کو پیٹ پیٹ کر کمروں میں بند کر رہا تھا۔ مارک ٹلی اور علی ان کو جل دیکر کسی طرح ایودھیا سے نکل کر فیض آباد پہنچے، اور وہاں کے ٹیلیگراف آفس سے دہلی خبر بھیجی۔ اس وقت فیض آباد میں مقیم سینٹرل ریزرو پولیس فورس کے دستوں نے ایودھیا کی طرف مارچ کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہی آخری خبر تھی، جو دہلی تک پہنچ سکی تھی۔ واپسی پر ان دونوں صحافیوں نے دیکھا کہ سینٹرل فورس کو ایودھیا کے باہر ہی روک لیا گیا ہے۔ خیر وہ دوسرے راستے سے وہ ایودھیا شہر میں داخل ہوئے اور ایک ہجوم نے مارک ٹلی کو پہچان کر ان دونوں کو ایک بوسیدہ مندر کے کمرے میں بند کر دیا۔ "وہ پہلے ہمارے قتل کیلئے آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ پھر ان کے سربراہ نے ان کو بتایا کہ پہلے مسجد کا قضیہ نپٹے، یعنی پوری طرح مسمار ہو، پھر انکی تقدیر کا فیصلہ کریں گے۔" شام کو کسی دوسرے گروپ نے تالا کھولا اور انکو وی ایچ پی کے سربراہ اشوک سنگھل کے دربار میں حاضر کروایا، جو قربان علی اور مارک ٹلی سے واقف تھے۔ انہوں نے ان کو رہا کرا دیا۔ مگر شہر سے جانا ابھی بھی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ علی کا کہنا ہے کہ ایودھیا سے فیض آباد کی محض دس کلومیٹر کی دوری اس دن کئی سو کلومیٹر کا فاصلہ لگ رہا تھا اور جب وہ فیض آباد کے ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت بی بی سی اردو کی رات کی نشریات جاری تھیں، جس نے ان سے فون پر بات کر کے دنیا تک خبر پہنچائی۔ معروف قانون دان اور مصنف اے جی نورانی نے اس موضوع پر اپنی کتاب Destruction of Babri Masjid:A National Dishonour کی تیسری جلد میں بابری مسجد کی ڈھانے کی سازش پر خوب بحث کی ہے۔ ان کے بقول مسجد کی شہادت میں بھارتی عدلیہ اور انتظامیہ نے بھرپور کردار ادا کر کے اپنی فرقہ وارانہ ذہنیت کی پول کھول دی ہے۔ نہ صرف نچلی عدالتوں کے لیت ولعل سے بلکہ اس وقت کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، جسٹس وینکٹ چلیا کے طریقہ کار نے بھی مسجد کی مسماری کی راہ ہموار کر دی۔ نورانی نے انکشاف کیا کہ جسٹس چلیا مسجد کو بچانے اور آئین اور قانون کی عملداری کو یقینی بنانے کے بجائے کارسیوکوں کی صحت سے متعلق فکر مند تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ 1998ء میں بی جے پی کی قیادت والی مخلوط حکومت کے قیام کے بعد ان کو شاید انہی خدمات کے بدلے ایک اعلیٰ اختیاری کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ سابق سیکرٹری داخلہ مادھو گوڈبولے کے مطابق ان کو بھی مسجد کی شہادت کی تیاری کی اطلاع تھی، اسی لئے ان کے محکمہ نے ریاست اتر پردیش میں مرکزی راج نافذ کرنے کا مشورہ دیا تھا، مگر وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے اس کو نامنظور کر دیا۔ نورانی کا کہنا ہے کہ راؤ خود، مسجد کی شہادت میں بلا

واسطہ ملوث تھے۔ان کے مطابق کانگریس کے اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں ہی بابری مسجد کی جگہ پر رام مندر کی تعمیر کی راہ ہموار کرنے کے لئے ویشو ہندو پریشد کے ساتھ ایک ڈیل ہوئی تھی۔گو کہ پریشد نے اندرا گاندھی کی ہلاکت کے بعد اپنی تحریک روک دی مگر راجیو گاندھی نے اس ڈیل کو پھر زندہ کیا تاہم،اس سے پہلے وہ مسلمانوں پر کوئی احسان کرنا چاہتے تھے۔اس کیلئے ان کے حواریوں نے ایک مسلم مطلقہ خاتون شاہ بانو کا قضیہ کھڑا کیا اور پارلیمنٹ سے ایک قانون پاس کروایا کہ مسلم پرسنل لاء میں عدالت کوئی ترمیم نہیں کرسکتی۔مصنف کے بقول انہوں نے راجیو گاندھی کو مشورہ دیا تھا کہ اس قضیہ کو کھینچنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور اس کو اینگلو محمڈن قانون کے بجائے شرعی قانون کے مطابق حل کیا جاسکتا ہے،مگر وہ مسلمانوں کو سیاسی بیوقوف بنانے پر تلے ہوئے تھے تاکہ پریشد کے ساتھ ڈیل کو آگے بڑھایا جاسکے۔اور یہی ہوا۔بابری مسجد کو مسمار کرنے،اس کے قصورواروں کو سزا سے بچانے میں ہندو قوم پرستوں سمیت سیکولر جماعتیں کے دامن بھی خون سے آلودہ ہیں۔اس حمام میں سب ننگے تھے۔بابری مسجد نے شہادت کے بعد ان سبھی چہروں سے نقاب اتار کر پھینک دئے ہیں اور اگر ابھی بھی کسی کو یہ چہرے اصل روپ میں نظر نہ آتے ہوں،تو یقیناًان کی دماغی حالت پر شبہ کے علاوہ اور کیا ہی کیا جاسکتا ہے۔(بہ شکریہ روز نامہ 92)

بابری مسجد سے عہد

اے بابری یوں ہم ترا اکرام کریں گے
ممکن ہو جو اقدام وہ اقدام کریں گے

زنار نے چھینی ہے جو مسجد ہے ہماری
منظور نہیں منصب اصنام کریں گے

توحید کے گنبد جو زمیں بوس ہیں تیرے
تعمیر انہیں پھر ترے خدام کریں گے

ایمان ہمارا ہے تو اللہ کا گھر ہے
حرمت کا تہ دل سے ہم اکرام کریں گے

جانوں پہ ہماری یہ ترا قرض ہے
جب تک نا چین سے بیٹھیں گے نہ آرام کریں گے

آئیں گے ترے منبر و محراب سجانے
جائیں گے وہیں صبح وہیں شام کریں گے

آغاز کریں گے ہمیں اتمام کریں گے
یوں اوج پہ ہم پرچم اسلام کریں گے

مومنؔ جو بہر لحمہ تباہی پہ تلے ہیں
ہم جلد انہیں لرزہ بر اندام کریں گے

مومنؔ ہندی ممبرا

فارم نمبر چار (4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے،سبھاش چوک، آکولہ۔
پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک، آکولہ۔
ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند
قومیت : ہندوستانی
پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے،سبھاش چوک آکولہ۔
وقفہ اشاعت : ماہانہ
مقام اشاعت : پہلا منزلہ،بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے،سبھاش چوک، آکولہ۔
میں پرنٹر،پبلشر،ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔
دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

عصری تہذیبی مسائل اور حل
مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں

شکیلہ عبدالحمید

تہذیب کے لغوی معنیٰ کسی درخت کو کانٹ چھانٹ کر سنوارنا، علم و ادب کے ذریعے اخلاق و کردار درست کرنا اور شائستہ کرنے ہیں اور اصطلاحاً میں کسی معاشرے کے بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

”لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے اُس کے علوم و آداب، فنونِ لطیفہ اطوار و معاشرت، اندازِ تمدن اور طرزِ سیاست کا، مگر حقیقت میں یہ نفسِ تہذیب نہیں ہے۔ یہ سب باتیں تہذیب کے نتائج اور مظہر ہیں۔ اس سب کو چھوڑ کر ہمیں ان کی روح تک پہنچنا چاہیے۔“

(۱) دنیوی زندگی کا تصور (۲) زندگی کا نصب العین
(۲) عقائد و افکار (۳) تربیتِ افراد کے اصول
(۵) نظامِ اجتماعیت کے اصول

مغربی تہذیب: معنی و مفہوم

اس تہذیب کی بنیاد حواس یا عقل سے حاصل ہونے والے علم پر ہے۔ جو علم حواس یا عقل کے علاوہ ہو اُس کا یہ انکار کرتی ہے۔ حواس سے مراد وہ پانچ قوتیں ہیں جنہیں حواسِ خمسہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اس تہذیب کے علم بردار ”علم“ صرف اسی کو قرار دیتے ہیں جس کی مشاہدہ و تجربہ سے تصدیق و تائید ہوسکے اور جسے ثابت کیا جاسکے یعنی علم کا اطلاق صرف اُس پر ہوگا جس کی پشت پر حواس کی گواہی ہوگی اور جس کی توثیق و تصدیق حواس سے کی جاسکے گی۔ اس تہذیب کے نزدیک وحی و الہام محض واہمے ہیں اور علم کی دنیا میں نہ تو اس کی کوئی حقیقت ہے نہ قدر و قیمت۔

اسلامی تہذیب اور اس کو درپیش چیلنجز:

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے اور اس پورے نظام کا فکری حصہ اسلامی تہذیب ہے۔ سید اسعد گیلانیؒ لکھتے ہیں:

”ظاہر ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت نہ عربی ہے، نہ ایرانی، نہ نسلی ہے اور نہ قومی ہے۔ اسلامی تہذیب خالص قرآنی تہذیب ہے، اس میں نہ جوگیوں کے مراقبے اور رہبانیت کے طور طریقے ہیں نہ ظاہر پرستی کے لوازمات ہیں۔ اسلام کے نام پر جس چیز کو موسوم کیا گیا ہے وہ زندگی کا ایک خاص نقطہ نظر ہے۔ وہ اُمتِ مسلمہ کا ایک خاص قسم کا اجتماعی معاشرتی نظام ہے جو زندگی کے بارے میں ایک خاص نوعیت کا نظریاتی نقطہ نظر وجود میں لاتا اور پروان چڑھاتا ہے۔“

عصرِ حاضر میں اسلامی تہذیب کو درپیش چیلنجز درج ذیل ہیں:

(۱) علمی اور فکری یلغار
(۲) معاشی یلغار
(۳) الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی یلغار
(۴) علمی اور سائنسی تکنیکی شعبوں میں یلغار
(۵) اُمتِ مسلمہ پر دہشت گردی کی یلغار

(۶) آزادئ نسواں کے مغربی تصور کی یلغار

(۱) علمی اورفکری یلغار:

آج مغرب نے جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں مسلمانوں کو شکست دینے کا ارادہ کیا ہے، وہیں علمی وفکری طور پر بھی حملہ کردیا ہے اور اس سلسلے میں وہ پوری طرح مسلح ہیں۔

اس معرکے میں ایک طرف مستشرقین نے قرآن، رسول اللہؐ اور احادیث نبویؐ کے خلاف "محققانہ" پیرائے میں اعتراض اٹھائے، دوسری طرف پادریوں نے اسلامی عقائد اور احکام کے خلاف مناظروں کا محاذ کھول دیا۔ تیسری طرف ایک ایسا نظام تعلیم وضع کیا اور ایسی نصابی کتب رائج کیں کہ ان کو پڑھ کر ذہنوں میں اسلام کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہوجائے ساتھ ہی ساتھ مغرب سے علمی و ادبی تفریحی لٹریچر کی درآمد اس قدر بڑھیں کہ لائبریریاں اس سے بھر گئیں۔ اتنا ہی نہیں، ایک خاص لباس اور نئے آدابِ واطوار رائج کیے گئے۔ مسلمانوں کے سامنے روزی اور نوکری کے دروازے آہستہ آہستہ بند کردیئے گئے پھر ان سے کہا گیا کہ اگر اس کے اندر آنا چاہو اور ترقی کرنا چاہتے ہو تو ہمارا فکری اور تہذیبی رنگ اختیار کرو۔

عصرِ حاضر میں غیر مسلم قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی محبوب ترین شخصیت، پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کو نشانہ تضحیک بنایا ہے، جن کی عزت وتکریم اور حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔

معاشی یلغار:

مغرب کی سوسالہ محکومی نے مسلمانوں کے دل ودماغ کو کچھ ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے دفاع پر آزادی سے سوچنے کے بجائے آنکھیں بند کرکے اس ڈگر پر چل رہے ہیں جو مغرب نے انہیں دکھائی تھی۔ علاوہ ازیں معاشی خودانحصاری سے محروم کرنے کے لیے World Trade Organization جیسے معاہدات مسلمان ملکوں پر مسلط کیے جارہے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیز کا جال بچھایا جاچکا ہے، جس میں مسلمان پوری طرح جکڑے جاچکے ہیں۔

(۳) الیکٹرانک میڈیا:

موجودہ دور میں یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ذرائع وابلاغ خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، مثلاً ٹی وی، انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، پرنٹ میڈیا وغیرہ پوری طرح مغرب اور یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں جو اُن کی مدد سے ایسے افکار و خیالات پھیلا رہے ہیں، جو کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ ان کی جانب سے بنائے جانے والے اور سپانسر کیے جانے والے پروگرام مثلاً ڈرامے، کارٹونز، ٹاک شوز وغیرہ دنیا میں لوگوں کے، خصوصاً نوجوان نسل کے ذہنی اور فکری پراگندگی کا سبب بن رہے ہیں۔ ان کی برین واشنگ اور ذہن سازی کی جارہی ہے، جو طبیعت اور فطرت پر بری طرح اثر انداز ہورہی ہے۔ حتیٰ کہ امریکی یا برطانوی تلفظ ہی میں انگلش بولنا اس وقت بہت بڑا فیشن بن چکا ہے۔

(۴) علمی اور سائنسی تکنیکی شعبوں میں یلغار:

عصر حاضر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور دورہ ہے۔ انسان اس سائنسی ترقی کی بدولت خلا پر اپنے پنجے گاڑ سکتا ہے اور دوسرے سیاروں پر زندگی بسر کرنے کی جستجو میں ہے۔ مغرب اسلامی دنیا پر اپنا دباؤ برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے کہ کوئی مسلم ملک جدید سائنسی ٹیکنالوجی حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ مغرب اسی کوشش میں ہے کہ اوّل تو مسلمانوں کے لیے حصولِ تعلیم ہی کو مشکل بنادیا جائے اور اگر کوئی مسلمان تعلیمی میدان میں آگے آبھی رہے ہوں تو انہیں ایسے نظامِ تعلیم میں گرفتار کیا جائے کہ وہ نظریاتی طور اسلام سے دور اور مغرب زدہ ہوجائیں۔ لارڈ میکالے اپنے اقتباس میں کہتا ہے:

"میں نے ایسا نظام تعلیم دیا ہے کہ اسے پڑھ کر مسلمان عیسائی نہیں بنیں گے تو کم از کم مسلمان بھی نہیں رہیں گے۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فرمایا کہ:

"یہاں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو تعلیم دی جارہی ہے وہ اسلامی روح کو کچلنے والی ہے۔ وہ نوجوان طلبہ کو اپنے دین اور ماضی سے اس طرح بیگانہ واجنبی بنارہی ہے کہ تھوڑی مدت بعد وہ اپنے آباء واجداد کو بھی نہ پہچان سکیں گے۔ حصولِ علم دین کی اس ضرورت کو دینی مدارس کی تعلیم بھی پورا نہیں کرتی۔ وہ مسائل بتادیتی ہے لیکن تفقہ پیدا نہیں کرتی۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ شامی اور ہدایہ کے

بعد پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کی قابلیت پیدا کی جائے۔"

(۵) اُمتِ مُسلمہ پر دہشت گردی کی یلغار:

نائن الیون کے بعد عالم کفر نے مسلم مما لک کو تاخت وتاراج کرنے کا سلسلہ شروع کیا، لیکن اُسی وقت سے مغرب میں اسلام کی مقبولیت کی رفتار میں پہلے سے کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ اسلام کی زبردست مقبولیت نے مغرب کی نیندحرام کردی ہے جس کی وجہ مغرب اب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا ہے۔ مسلمان کو آج کل پوری دنیا میں دہشت گرد کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ امریکہ جہاں چاہتا ہے کہ مسلم مما لک پر حملہ کردیتا ہے۔ امریکہ نے عراق، شام، فلسطین اور افغانستان میں دہشت گردی کا بازار گرم کررکھا تھا، جواب افغانستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے اختتام کو پہنچا ہے اور امریکہ یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکلنے پر مجبور ہوگیا ہے۔

(۶) آزادیٔ نسواں کے مغربی تصور کی یلغار:

مغربی تہذیب کی برق پاشیوں اور جلوہ سامانیوں نے اہلِ مشرق کو عموماً اور مسلمانوں کی نظروں کو خصوصاً جس طرح خیرہ کیا ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ فحاشی وعریانی نے جس سیلِ رواں کی شکل اختیار کرلی ہے اُس نے ہماری ملی اور دینی اقدار کو خس وخاشاک کی طرح بہادیا ہے۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک نے ہمیں کچھ اس طرح مبہوت کردیا کہ ہم یہ بھی تمیز نہ کرسکے کہ اس چمکتی ہوئی شے میں رزِ خالص کتنا ہے اور کھوٹ کتنا؟ اس تندوتیز سیلاب کے مقابلے میں ہم اتنے بے بس ہوکر رہ گئے ہیں کہ ہماری اکثریت نے اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالے کردیا ہے۔ نتیجتاً ہمارا معاشرہ پست ہوگیا ہے، ہمارے خاندانی نظام کا شیرازہ بُری طرح منتشر ہورہا ہے اور کوچہ کوچہ ہماری اس تہذیبی خودکشی پر نوحہ کررہا ہے۔

صلیبی دُنیا کو پردے کے حوالے سے بھی اسلام کھٹکتا ہے۔ اس پر عورتوں کو دہشت زدہ کرنے کے حوالے سے زبانِ طعن دراز کرتے ہیں، جب کہ کئی مما لک میں سکارف پہننے پر پابندی لگادی گئی ہے۔ سکارف والی خواتین کے ساتھ بدتمیزی کی جاتی ہے، زبردستی سکارف اُتارا جاتا ہے۔ سکارف پہننے اور حجاب کرنے کے حوالے سے عدالتوں میں باقاعدہ کیس لڑے جارہے ہیں، حالاں کہ عیسائیوں کے گرجاگھروں میں ان کی خواتین سکارف پہن کر رہتیں ہیں۔ ان کو توامن کی دیویاں سمجھا جاتا ہے اور مسلم عورت کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان آزاد عورتیں بھی اسلام سے اظہارِ بےزاری کرنے لگی ہیں۔ ایک امریکی یہودی برجز اپنی کتاب "آج کی عربی دنیا" میں کہتا کہ "تعلیم یافتہ مسلمان عورت مذہبی تعلیمات سے بہت دور ہے اور معاشرے کو بے دین بنانے میں حد درجہ مفید ہے۔"

عصرِ حاضر میں تعلیمی اداروں میں بے پردگی، بےحیائی اور بے راہ روی اسی فکری اور اغوا کا شاخسانہ ہے۔ آج کی عورت اپنے آپ کو اشتہار بنا کر پیش کررہی ہے۔ موجودہ ذرائع ابلاغ نے ہماری اولادوں کے اخلاق وکردار کو تباہ کردیا ہے، جس کے نتیجے میں آج کے ملکی حالات آپ کے سامنے ہیں۔ روزانہ اخبار، میڈیا کیا آئینہ دکھا رہا ہے۔ اس بدتہذیبی، بددیانتی اور اخلاقِ رذیلہ نے قومی وجود کے شجر ثمر آور کو آکاس بیل کی مانند اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

عصری تہذیبی چیلنجز کے عالمِ اسلام پر اثرات:

ذیل میں کچھ منفی اور کچھ مثبت اثرات درج کیے جارہے ہیں:

☆ مثبت اثرات

(۱) صحت سے متعلق شعور (۲) مغرب کے دوہرے معیار سے آگاہی

(۳) خواندگی میں اضافہ (۴) عالمی مسائل سے آگاہی

(۱) صحت سے متعلق شعور:

صحت سے مراد محض بیماریوں یا معذوری سے نجات ہی نہیں بلکہ اس سے مراد مکمل ذہنی وجسمانی اور معاشرتی تحفظ ہے۔ ۱۹۹۹ء کے خصوصی مشن میں ان کامیابیوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور خواتین کی صحت کے حوالے سے بنیادی اقدام کا فیصلہ کیا گیا تاکہ صحت سے متعلقہ پروگرام میں موثر کام ہوسکے۔ ان کانفرنسوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ شرح اموات میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔

(۲) مغرب کے دوہرے معیار سے آگاہی:

مغربی ذرائع ابلاغ کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ مسلم دنیا کے خلاف مغرب کے دوہرے معیار سے ساری دنیا آگاہ ہوچکی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اہلِ مغرب خود ان پالیسیوں کے خلاف احتجاج کررہے ہیں جو ان حکمرانوں نے مسلمانوں کے خلاف اختیار کی ہیں۔ مسلمانوں پر جو ظلم وستم ہورہا ہے اسے وہ

چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگرکسی غیرمسلم کو تکلیف پہنچے تو شور مچایا جاتا ہے،لیکن اب میڈیا نے کافی حدتک عوام کو حالات سے آگاہ کیا ہے۔ جہاں میڈیا کے بُرے اثرات مرتب ہوئے ہیں وہاں کچھ لوگوں نے سچ بیان کرنے کے لیے اس کا مثبت استعمال کیا ہے۔خاص طور پر گوانتاناموبے میں ہونے والے مظالم کی تشہیر سے امریکہ کی مقبولیت کا گراف بہت حد تک گر گیا ہے۔

(۳)تعلیمی شعور میں اضافہ:

تغیر وتبدّل کا قرآنی تصور انسان کو اُس کی قوتِ ارادی اور صلاحیتِ عملی کی بنا پر زماں ومکان میں مقام عطا کرتا ہے۔گویا انسان تاریخ کی پیداوار یا اس کا غلام نہیں ہے بلکہ تاریخ ساز ہے۔ذرائع ابلاغ نے لوگوں میں تعلیمی شعور اُبھارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اب تک جتنی بھی بین الاقوامی کانفرنسیں ہوئیں ان کا بھی اہم ایجنڈا لوگوں میں تعلیمی شعور اُجاگر کرنا تھا۔

(۴)عالمی مسائل سے آگاہی:

ذرائع ابلاغ کے ذریعے سیاسی وعالمی مسائل کے پروگرام بھی عوام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔یوں تمام دنیا میں ہونے والے مسائل اور تبدیلی سے باخبر رہتے ہیں۔عراق میں ابوغریب جیل اور کیوبا میں گوانتاناموبے کے امریکی بحری اڈّے میں مسلمان قیدیوں کو اذیت پہنچانے اور ان سے شرم ناک سلوک کے متعدد واقعات بھی سامنے آئے ہیں۔دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے اور دنیا میں کسی بھی ملک یا علاقے میں ہونے والے کسی واقعے یا سانحے سے متعلق لوگوں کو فوراً اطلاع پہنچ جاتی ہے۔

☆منفی اثرات

(۱)مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا

(۲)خاندانی نظام کی تباہی　　(۳)جرائم میں اضافہ

(۴)فحاشی کا فروغ　　(۴)تہذیبی اور ثقافتی تنزّل

(۱)مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا:

مسلمانوں کے دینی مدارس کو دہشت گردی کے تربیتی مراکز کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں اپنے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں۔

مغربی میڈیا کی میزبانی سے ایک مردہ اصطلاح میں جان ڈالی گئی یعنی بنیاد پرستی(Fundamentalism)۔یہ اصطلاح چند برس قبل افغانستان جنگ کے حوالے سے استعمال ہونی شروع ہوئی اور چند ہی برسوں میں اس نے دنیائے اسلام کو معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ مغربی میڈیا نے نہایت ہوشیاری اور عیاری سے بنیاد پرستی کا مطلب جہالت، دشمنِ ترقی، دہشت گردی، دقیانوسی اور کٹر نظریات کے مفہوم کے طور پر پیش کیا، بلکہ اس قدر زور شور سے شور مچایا کہ ہر مسلمان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ حضور میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔اس منفی پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا میں کہیں بھی دہشت گردی کی کوئی واردات ہو، اسے کسی نہ کسی طور پر مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

(۲)خاندانی نظام کی تباہی:

یہ حقیقت ہے کہ خاندان معاشرے کا جزو ہے اور فرد اپنے خاندان کا جزو ہے۔چناں چہ ایک معاشرے کا تصور بغیر خاندان کے محال ہے، جیسے ایک خاندان کا تصور افراد کے بغیر ناممکن ہے۔نتیجتاً اگر فرد کے اندر کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے تو خاندان پر براہِ راست اس کا اثر پڑتا ہے اور اگر خاندان میں کوئی فساد رونما ہو جائے تو معاشرہ آلودہ ہوئے بغیر نہیں رہتا۔مسلم معاشروں کو بگاڑنے کے عمل میں این جی اوز مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔خصوصاً بیگمات کی این جی اوز جو مغربی دنیا سے مالی امداد لیتی ہیں، کبھی اشاروں میں اور کبھی کھل کر خاندانی بندھنوں کو ڈھیلا کرنے اور توڑنے کی بات کرتی ہیں۔اسلام آباد میں مارچ ۲۰۲۰ء میں خواتین نے مارچ کیا جس میں ایسے پلے کارڈ اٹھائے گئے جن پر فحش اور عریاں الفاظ کا استعمال کر کے عورتوں کی آزادی اور حقوقِ نسواں کا آوازہ بلند کیا گیا۔پلے کارڈز پر''میرا جسم میری مرضی، اپنا موزہ خود ڈھونڈو، اپنا بستر خود گرم کرو''، جیسے فحش الفاظ لکھے ہوئے تھے۔جس سے صاف ظاہر تھا کہ یہ خاندانی نظام کو توڑنے کی بھرپور سازش تیار کی گئی ہے۔

بزرگوں کی شفقت اور محبت کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور مشترکہ خاندانی نظام سے پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل گنوائے جاتے ہیں۔ٹی وی چینلز کے ذریعے ایسے ڈرامے تیار کیے اور دکھائے جاتے ہیں جن میں طلاق کو عام اور نکاح کو تماشا بنا دیا گیا ہے۔شادی شدہ مرد وعورت کے نکاح کے بعد غیر محرم

لوگوں سے تعلقات کو عام کیا جارہا ہے،جس سے خاندانی نظام کی جڑیں کم زور پڑنے لگی ہیں اور طلاق کی کثرت ہونے لگی ہے۔

(۳)جرائم میں اضافہ:

ذرائع ابلاغ جرائم کی تشہیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔لوگوں کو ان جرائم اور مجرموں سے آگاہ کرنا اور بات ہے،مگر مجرموں کو ہیرو بنا کر پیش کرنا اور بات ہے۔آج کل میڈیا پر مجرموں کی جس طرح تشہیر کی جاتی ہے اس کے نتائج بہت بھیانک نکلتے ہیں اور مسلم معاشروں پر اس کے بہت منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

(۴)فحاشی کا فروغ:

آج ہمارے یہاں بے حیائی اور عریانی دھڑلے سے پھیلائی جارہی ہے۔تمام ذرائع ابلاغ برائی کی اشاعت میں مصروف ہیں۔کسی بھی اخبار یا رسالے کو اٹھا کر دیکھ لیں،نیم عریاں اشتہارات وتصاویر کا انبار نظر آئے گا۔ٹی وی چینلز پر نیم عریاں ماڈلز اپنے جسموں کو لہراتی نظر آئیں گی اور چوراہوں پر بڑے بڑے بل بورڈ ز پر مختلف زاویوں سے ان کے جسموں کی نمائش نظر آئے گی۔کبھی بازار یا سڑک سے گزریں یا سفر میں ہوں،ہر جگہ جذبات کو بھڑکانے اور خدا سے غافل کردینے والی موسیقی سننی پڑے گی۔ٹی وی وغیرہ پر فواحش اور گھٹیا حرکات باقاعدہ منظم انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔چادر اور چار دیواری کا تحفظ کالعدم ہے،لیکن اداروں میں غیر اسلامی محفلیں سجا کر زیب وزینت اور نمود ونمائش کا شیطانی چکر چلایا جاتا ہے اور فحاشی کو فروغ دیا جارہا ہے۔

(۵)تہذیبی اور ثقافتی تنّزل:

(ا)مغربی تہوار (۲)انگریزی زبان ولباس کا استعمال

(ا)مغربی تہوار:

تہوار اور میلے ہر قوم کی مذہبی وثقافتی اقدار ونظریات کے ترجمان ہوتے ہیں۔اسلام کے تہوار ہیں:عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"جس کسی نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔" (ابو داؤد)لیکن آج کل مغربی تہذیب کے زیر اثر مسلم اقوام کی اپنی اقدار سے بغاوت کے بے ہودہ رسومات سے محبت ابلیسی جال کا نتیجہ ہے۔نیو ایئر نائٹ اور ویلنٹائن ڈے جیسے events کو منانا مغرب کی بھونڈی نقالی ہے۔صیہونی میڈیا کے زیر اثر جنسی آوارگی،بے ہودگی اور خرافات کو ماڈرن ازم کے لیے ضروری تصور کیا جانے لگا ہے۔مغربی ذرائع نے اس میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کیا ہے۔

(۲)انگریزی زبان ولباس کا استعمال:

ابن خلدون نے اپنے "مقدمہ تاریخ ابن خلدون" میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں زبان کو ان بنیادی عوامل میں شامل کیا ہے جن سے کوئی اجتماع وجود میں آتا ہے اور ترقی پاتا ہے۔آج مغربی زبان ولباس نے مسلمانوں کو ان کی زبان ولباس سے تقریباً محروم کردیا ہے۔

مسلم نوجوانوں کی ذمہ داریاں

(سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں)

جوانی کو غنیمت جاننا:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِغتنم خمساً قبل خمس: شبابك قبل هرمك،وصحتك قبل سقمك،وغناك قبل فقرك، وفراغك قبل شغلك، حياتك وقبل موتك(مستدرک حاکم)

"پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو:(۱)اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے (۲)اپنی صحت کو بیماری سے پہلے (۳)اپنی مالداری کو فقیری سے پہلے(۴)اپنی فراغت کو مصروفیت سے پہلے(۵)اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔"

سب سے پہلے نوجوانوں کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ وہ اپنے وقت کو ضائع نہ کریں،کیوں کہ بڑھاپے میں سوائے ندامت اور پچھتاوے کے ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں بچتا۔تسبیح ومناجات صرف آخری عمر ہی کا کام نہیں بلکہ سورۃ البقرۃ کی"آیتُ البر" کے حوالے سے ایک وسیع میدان نوجوانوں کے سامنے ہے اور ہر وہ چیز اور ہر وہ عمل جو انسانیت کے لیے نفع بخش ہو اور شیطان کے راستے سے ہٹ کر ہو وہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق گزاری جانے والی جوانی کے لیے یہ بشارت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں اسلام میں بوڑھا ہوا تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا۔"(سنن نسائی)

قرآن کے متعلق نوجوانوں کی ذمہ داریاں:

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضعُ بہ آخرین (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے قوموں کو عروج دیتا ہے اور اس (کو چھوڑنے) کے باعث ہی قوموں کو زوال بھی دیتا ہے۔

کتابِ ہدایت یعنی قرآن پاک ہی وہ کتاب ہے جو انسان کو اپنی زندگی کا مقصد بھی دیتی ہے اور اس مقصد کے حصول کا طریقہ بھی بتاتی ہے۔ اس کتاب سے رہنمائی نہ لی جائے تو انسان دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بقول شاعرِ مشرق،

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر!

موجودہ دور کے صلیبی مبلغین نے رواں صدی کے اختتام تک براعظم افریقہ کے باشندوں کو مسیحی بنانے کے پروگرام پر عمل جاری رکھا ہے۔ ایمان کی اس جنگ میں ہمارا سامانِ حرب، ہماری تلوار اور ڈھال قرآن ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ نوجوان قرآن کو سامانِ حرب کے طور پر اپنائیں اور ایمان کے رکھوالے بن کر اپنے دین پر حملہ کرنے والوں کا مقابلے کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ از روئے الفاظِ قرآنی وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان)

اے نبی ﷺ! ان سے جہاد کیجئے اس قرآن کے ذریعے بہت بڑا جہاد۔

اُسوۂ حسنہ اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب)

"بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔"

انسان اچھے اور برے، خوب صورت اور بدصورت، حسین اور قبیح، نیکی اور بدی کی پہچان موازنے اور تقابل سے کرتا ہے۔ روشنی کی قدر اور پہچان اندھیرے کی موجودگی میں ہی ہوتی ہے اور اندھیرے کی قباحتیں نور کے ساتھ موازنے سے سامنے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی شکل میں انسان کے سامنے ہدایت کا نمونہ رکھ دیا۔ اس پر انسان اپنے آپ کو پرکھ سکتا ہے۔

مغربی دنیا اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں:

حضرت زید بن ثابتؓ کا قول ہے: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (مجھے حکم دیا) کہ سریانی زبان سیکھوں۔"

مغرب آج سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی میں بہت زیادہ ترقی کرگیا ہے، لیکن اخلاقی زوال، حیاباختگی کے حوالے سے قعرِ مذلت میں جا گرا ہے۔ کسی علم میں بجائے خود کوئی خرابی نہیں ہوتی اور نہ کوئی زبان محض زبان ہونے کی وجہ سے غلط ہوتی ہے، البتہ ہر زبان اور علم اپنے ساتھ اپنے لوگوں کی تہذیب بھی رکھتا ہے۔ اس مغربی علوم کے اندر مغربی تہذیب کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ اگر اسلامی تہذیب کے اصولوں سے ٹکراؤ رکھنے والی تہذیب کو الگ کرکے علوم حاصل کیے جائیں تو یہ قطعاً ممانعت کے درجے میں نہیں آتے بلکہ مستحت اور مباح ہوتے ہیں۔ حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغربی علوم بھی حاصل کرنی چاہیے اور زبان بھی، مگر آفاقی اصولوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

حاصل کلام:

اُبھرتے سورج کی پوجا کرنے والے غالب تہذیب کو ترقی کی معراج پر سمجھتے ہیں، حالاں کہ تاریخ گواہ ہے کہ بڑی بڑی تہذیبیں وقت کے ساتھ زوال پذیر ہوئیں اور آج ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں ہے۔ دنیا میں جتنی بھی تہذیبیں غالب رہیں ان میں زندہ صرف وہ تہذیب رہی جو دوسروں کی نقالی نہیں کرتی تھی۔ جس تہذیب نے اپنا جدید نظام دیا تو وہی اپنا تشخص برقرار رکھ پائی۔ اگر زمانہ بدل رہا ہے تو اس کو مزید بھی بدلا جا سکتا ہے، لیکن صرف وقت کے تبدیل ہوجانے کی وجہ سے زندگی کے اصول، حق وباطل کے معیار اور خیر وشر کے پیمانے نہیں بدلے جاسکتے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد وحی الٰہی پر رکھی گئی ہے جسکے اقدار اتنے اعلیٰ ہیں کہ ہر دور میں فائدہ مند ہیں، جس کا کوئی دوسری تہذیب مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وحی اور الہام کی بنیاد پر جو معاشرہ تعمیر ہوتا ہے وہ ان نظاموں اور معاشروں سے مختلف ہوتا ہے جو حواس، عقل اور اشراق کی بنیاد پر بنتے ہیں۔ اس لیے مسلم نوجوانوں کو بلا چوں وچرا اسلامی تہذیب کو پروان چڑھانا چاہیے اور مغربی تہذیب کو اپنانے سے گریز کرنا چاہئے۔

ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی

مختار احمد مکی

قسط اول

تاریخ انسانی کے اہم کارناموں، کاوشوں اور جدوجہد کی دستاویز ہے۔ یہ ان کی علمی، ادبی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور تمدنی سرمایہ کا ماخذ ہے جو کہ ماضی کے احوال کی تصویر حال کے آئینہ میں پیش کرتی ہے۔ اس میں انسانی تہذیب کا ارتقا عہد بعہد نظر آتا ہے۔ اسلاف کے کارنامے آئندہ نسلوں کے لیے رہ نمائی کا کام کرتے ہیں۔ ان میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ ان میں اولوالعزمی، بلند ہمتی، بہادری، اخوت، رواداری، حب الوطنی اور اعلیٰ مقاصد کے لیے تن من دھن نچھاور کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ تاریخ نویسی ایمان دار وقائع نگاری اور واقعات وحالات کے بے لاگ اور متوازن تجزیہ کا نام ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہندوستانی تاریخ کو زہر آلود کرنے کا کام پچھلے ڈیڑھ دو سو برسوں سے بڑی خاموشی مگر مستعدی کے ساتھ جاری ہے۔ تاریخ کو مسخ کرنے کا کام اتفاقی بھی ہوتا ہے اور منصوبہ بند بھی۔ اتفاقی طور پر تاریخی افراد یا حادثہ کو سیاق وسباق سے الگ، غیر واضح، مبہم اور غلط انداز میں دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ جب کہ منصوبہ بند کھلواڑ میں تاریخی حقائق کو جان بوجھ کر صداقت کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا ہے بلکہ نئے نئے افسانے اور کہانیاں تراشی جاتی ہیں، صداقت چھپائی جاتی ہے اور انہیں اپنے فائدہ اور نقطۂ نظر کو دھیان میں رکھتے ہوئے ترتیب دے کر پیش کیا جاتا ہے۔ گرچہ یہ دونوں ہی صورت میں حال تاریخ کی سچائی کے اصول کے خلاف ہیں لیکن دوسری زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔

جب فاتح قوم مفتوح کی تاریخ لکھتی ہے تو تاریخی اصولوں کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان کے واقعات اور یا افراد کے کردار کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی مؤرخین نے ہونیبول (Honnibal) جیسے بہادر سپہ سالار کو وحشی اور خونخوار شکل میں پیش کیا۔ خود ہندوستان میں آرین ادب خاص طور پر ویدک لٹریچر نے وادیٔ سندھ کی تہذیب وتمدن کو غیر متمدن لوگوں کی تہذیب کے طور پر پیش کیا۔ ان کے بہادر جوان آشور، پنیا، داس، پانس، جاتو، دھانس، دیو اور راکشش مانے گئے۔ ان کے چہرے کے خدوخال کو مٹایا گیا۔ راون، بالی، سگریو اور ہندومان وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ جب کہ بقول ایس کے بسواس:

> **آریہ حملہ آوروں نے ہندوستان کے عظیم تہذیب کی بیخ کنی کی۔ آباد اور پر رونق شہروں کو تباہ برباد اور ویران کیا۔ ان کی عظیم تمدنی وراثت کو اس طرح پامال کیا کہ آج اس کی شناخت کا نشان بھی موجود نہیں۔(۱)**

تقریباً یہ اصول ہندوستان میں انگریزوں نے بھی اپنایا۔ جب ذاتی اغراض اور خاص مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے تاریخی غیر جانبداری کے اصول کو ترک کیا گیا، تاریخی واقعات کو خلط ملط کیا گیا، اس کی غلط تفسیریں اور تشریحیں پیش کی گئیں، جھوٹے اور سنے سنائے واقعات کو تاریخ کا حصہ بنایا گیا اور خیالی ومفروضہ جرائم کی من گھڑت داستانیں تحریر کی گئیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ افسوس ناک واقعہ یہ ہے کہ اپنے ہی ملک کے دانشوروں اور مؤرخین نے

ذہنی غلامی کے باعث ان باتوں کو حرفِ آخر سمجھا اور ان کے جملوں کو نہ صرف طوطی صفت دہرانا شروع کیا بلکہ مسلم اور اسلام دشمنی میں انگریزوں سے بھی آگے نکل جانے کی کوشش میں لگ گئے۔ ہندوستانی تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ تاریخ کے ساتھ یہ کھلواڑ آج بھی جاری ہے۔

انگریزی حکومت کے قیام کے بعد ہی پہلی بار پورے ہندوستان کے لیے تاریخ نویسی کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ مسلمان بادشاہوں نے بڑے کروفر اور آن بان کے ساتھ تقریباً سات سو سال تک ہندوستان پر حکومت کی تھی۔ ان کی سلطنت کے زوال کے بعد ہی انگریزوں کا یہاں تسلط قائم ہو پایا۔ انگریزوں کو اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہیں اس کے باوجود ہندوستان کے ہندو اور مسلمان باہم یکجہت اور گھلے ملے ہیں۔ ان میں مکمل یکجہتی اور مذہبی رواداری ہے۔(۲) اور وہ مشترکہ طور پر انگریزوں سے نفرت کرتے ہیں۔

۱۸۲۴ء میں بشوپ ہیبر (Heber) لکھتا ہے کہ:

ہندوستانی ہم لوگوں کو پسند نہیں کرتے ہیں اور اگر انہیں مناسب موقع ملے تو خاص طور پر مسلمان ہمارے خلاف متحد ہو کر سامنے کھڑے ہو جائینگے۔(۳)

ایک دوسرے برطانوی مورخ تھامس لیو نے بھی ۱۸۵۷ء کے غدر کے اسباب وواقعات اور اس دور کے ہندو مسلم اتحاد کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ:

دختر کش راجپوت، کٹر برہمن، متعصب مسلمان اور عیش پسند توندوالا مرہٹہ بھی اس جہاد میں شامل تھے۔ گائے کھانے والا اور گائے کا پجاری، خنزیر سے کراہت رکھنے والا اور خنزیر کا گوشت کھانے والا، لاالہ اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ گو اور برہما کے منتروں کو جپنے والا سبھوں نے مل کر بغاوت کی تھی۔(۴)

پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو:

مصلحتِ وقت کو سامنے رکھتے ہوئے انگریزوں نے ایک لائحۂ عمل کے طور پر قدیم رومی طریقہ کار یعنی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divideet Empera) کی پالیسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ چوں کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہی ہندوستان کی حکومت چھینی تھی اور مسلمانوں کو ہی اقتدار کی بساط پر شکست سے دو چار ہونا پڑا تھا اس وجہ سے مسلمان نوابوں اور امراء میں انگریزوں سے نفرت ایک فطری اور لازمی امر تھا۔ وہ انگریزوں سے دور رہتے، انہیں اپنا حکم راں تسلیم نہیں کرتے اور انگریز مخالفت میں کوئی بھی دقیقہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کا مذہبی طبقہ کچھ زیادہ ہی پیش پیش تھا۔ انگریزی افواج یا انگریزی نوکری کو حرام قرار دیا گیا۔ انگریزوں کا اقتدار جوں جوں مضبوط ہوتا گیا مسلمانوں کی نفرت بھی ان سے بڑھتی گئی۔ ہندوؤں کا مسئلہ کے برعکس تھا۔ اقتدار کی منتقلی ان کے لئے صرف حکم رانوں کی تبدیلی تھی۔ کوئی ایمان، دین اور دھرم کا مسئلہ نہیں تھا۔ راجہ رام نرائن جو سراج الدولہ کا پٹنہ میں گورنر تھا بعد میں میر جعفر کے ساتھ مل کر انگریزوں کا بہی خواہ ہو گیا۔ اسی طرح پورنیا جو ٹیپو سلطان کا معتمد اور دیوانِ خاص تھا اس کی شہادت کے بعد انگریزوں کا دیوان بن گیا۔ انگریزوں کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ مسلمان ان کے قابو میں آنے والے نہیں ہیں اس لئے سیاسی حکمتِ عملی اور تجارتی مفاد کے پیشِ نظر انہوں نے ہندوؤں کے دلوں کو جیتنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا اصول اپنایا جو کہ اتفاق سے یہاں اکثریت میں بھی تھے۔ نتیجتاً حکومت کی جانب سے جو بھی تحریکیں اور اسکیمیں شروع کی گئیں ان میں مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا۔ ان میں صلیبی جنگ کا بھی اثر تھا۔ پہلے کی دشمنی یہاں واضح انداز میں ظاہر ہونے لگی۔ لارڈ ایلن بیرو (Elen Bourough) کے زمانے میں مسلم دشمنی کا رجحان اپنے نقطۂ عروج پر تھا۔ ۱۸/ جنوری ۱۸۴۳ء کو لارڈ ویلنگٹن کے نام اپنے خط میں اس نے تحریر کیا ہے کہ:

میں اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرسکتا کہ مسلمان بنیادی طور پر ہمارے دشمن ہیں۔ اس لیے ہماری حکمتِ عملی ہندوؤں کو خوش کرنے کی ہونی چاہئے کیوں کہ یہ بے وقوفی ہوگی کہ دس فی صد عوام جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں اس کے لیے ہم نوے فیصد عوام کو خوش نہ رکھیں۔(۵)

اس کے ساتھ ہی اپنی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو مسلمانوں سے برگشتہ کرنے اور ان دونوں فرقوں کے درمیان نفرت

کی آگ بھڑکانے اوراسے جاری رکھنے کی تمام تر کوشش بھی کی گئی۔اس کے لیے انہوں نے ہندوستانی تاریخ کو استعمال کیا۔اس طرح جو تاریخ مرتب ہو پائی وہ بقول شخصے:

وہ تاریخ ہے جو انگریزوں کے ذریعہ ہندوستانیوں کے لیے بنائی گئی اوران پر زبردستی تھوپی بھی گئی ہے۔

ایک مثال سے یہ بات واضح ہوجائیگی کہ مسلم دشمنی میں لارڈ ایلن برو نے کس طرح کی حکومت کی پوری مشنری کو مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکانے اور صف آرائی میں لگا دیا۔

پہلی اینگلو افغان جنگ (۱۸۳۹ء) کی ہار کا بدلہ لینے کے لیے پوری تیاری اورقوت کے ساتھ انگریزوں نے ۱۸۴۲ء میں افغانستان پر حملہ کیا اور کابل فتح کرلیا۔میجر جنرل ناٹ نے غزنی کی جامع مسجد کے صدر دروازہ کو اکھڑوا کر ہندوستان روانہ کیا تا کہ ہندوستانیوں کو کابل کے فتح کر لینے کا یقین دلایا جائے ۔لارڈ ایلن برو (گورنر جنرل) نے اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پھیلانے اور ہندوقوم پر احسانِ عظیم جتانے کا سنہرا موقع سمجھا۔وہ شملہ سے فیروز پور پہنچا۔دریائے ستلج کے پل کے پاس ایک عظیم الشان جشن منعقد کرکے اس نے کابل کے فاتح لشکر اورغزنی کے شاہی مسجد کے دروازہ کا استقبال کیا اور اسے محمود غزنوی کے ذریعہ لوٹے گئے سومناتھ مندر کا دروازہ قرار دیتے ہوئے ہندو راجہ اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

اے سرہند، راجستھان، مالوہ اور گجرات کے سردارو! بالآخر آٹھ سوسالہ پرانی بے عزتی کا بدلہ لے لیا گیا۔آج میں صندل کے بنے ہوئے اس دروازہ کو آپ کے سپرد کرتا ہوں تا کہ بصد احترام لے جا کر آپ اسے اپنے سومناتھ کے مندر میں نصب کروا دیں۔

دروازہ کو ایک بیل گاڑی پر رکھا گیا اوراس پر قیمتی شال اوردوشالہ ڈالا گیا اور جلوس کی شکل میں نمائش اور دیدار کراتے ہوئے سرحد سے آگرہ لایا گیا۔تمام راستہ دیہات کے ہزاروں عقیدت مند ہندو اس کی پوجا کرتے اورنذرانہ چڑھاتے ۔اسے کافی اہتمام سے ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکاتے ہوئے آگرہ کے قلعہ میں رکھا گیا۔(۶) بعد میں ایک ماہر تعمیرات جیمس نے تحقیق کرکے بتایا کہ یہ دروازہ دیودار کی لکڑی سے بنا ہوا ہے ۔صندل کا نہیں ہے۔ایک دوسرے مورخ ویدیا کا کہنا ہے کہ:

اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ محمود غزنوی سومناتھ سے کوئی دروازہ بھی لے گیا تھا۔(۷)

آج یہ دروازہ آگرہ کے قلعہ میں بے توجہی کے گرد وغبار میں دبا پڑا ہے لیکن گورنر جنرل نے جلوس نکال کر پورے ملک میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ ضرور پھیلادی۔

مطالعہ کی آسانی کے لیے کسی بھی ملک کی تاریخ کو قدیم ،وسطیٰ اوردورِ جدید میں تقسیم کیا جاتا ہے۔گرچہ تاریخی واقعات زمانہ کی خانہ بندی سے پَرے ہوتے ہیں لیکن انگریز مورخوں نے ہندوستانی تاریخ کو ہندو،مسلم اور برطانوی دور(عیسائی زمانہ نہیں) میں تقسیم کیا ہے جو انگریز کے رجحان کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں۔حالاں کہ اسی بنیاد پر ترک،ایران اور پٹھان دور میں بھی ہندوستانی تاریخ کو تقسیم کیا جاسکتا تھا۔ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے ہندوعہد کو تاریخ کا سنہرا دور قرار دیا گیا جب کہ ہندوستانی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔اس کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔دودھ،دہی اور شہد کی ندیاں ہندوستانی گلیوں میں بہتی تھیں۔آرین حملہ آوروں کے ذریعہ دراوڑین ،قبل از دراوڑین اور بدھ مندروں کی تباہی کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔جب کہ مسلم دورِ حکومت کو قہرِ الہیٰ بتایا گیا جس پر پرسکون وخوش حال زندگی کو برباد کیا۔مسلمانوں کو ہندو تہذیب وروایات ،مندراور روشال بھونوں کو تباہ و برباد کرنے والا،بتوں کو توڑنے والا اوران کے سامنے تلوار اورقرآن میں کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دینے والا بتایا گیا۔یہ افراتفری اورتباہی و بربادی کا دور تھا۔چھ سات صدی پر محیط یہ ہندوستانی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔اورانہیں حالات میں برطانوی دورِ حکومت کو خدائی عطیہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس نے یہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے ظلم وستم ،زیادتی اورتاریکی سے نجات دلا کر ہندو مفاد کی حفاظت کی۔(۸)

تھامس میکالے نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔میکس مولر نے مسلمانوں کو ہندوؤں کے زوال اور بدحالی ذمہ دار قرار دیا۔اس کا کہنا تھا کہ:

مسلمان گھناؤنے اور بربرہوتے ہیں جنھوں نے ہندوؤں کو انحطاط سے ہمکنار کیا۔(۹)

پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو (Divide and Rule) کی پالیسی کے تحت پالیسی مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ ایک بیرونی قوم کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو کہ اپنے علیحدہ مذہبی عقیدہ، عمل سماجی برتاؤ اور جداگانہ تہذیب وتمدن کے باعث ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، یہ نہ تو ایک ساتھ رہے ہیں اور نہ ہی کبھی رہ سکتے ہیں۔ اس کے لیے تمام حربے استعمال کئے گئے۔ جھوٹ اور بہتان طرازی پر مبنی من گھڑت تاریخ وظیفہ خوار مورخین وسرکاری حکام (Administrator Cum Historian) کے ذریعہ مرتب کروائے گئے۔ مسلمانوں کے حملہ کو وحشی اور بربر کا آکرمن قرار دیا گیا (جب کہ آرین حملے پرویش کہلائے) جو کہ انتہائی سنگدلی کے ساتھ معصوم مرد، عورتیں اور بچوں کو قتل کرتے۔ مسلم حکم رانوں کی معمولی اور ذاتی خامیوں اور زیادتیوں کو بڑھا کر رائی کا پربت بنایا گیا اور خوب صورتی سے آخر میں ان کے مذہب سے وابستہ کر دیا گیا۔ مسلم سلاطین اور بادشاہوں میں جس نے بھی مذہب کی جانب سے اپنے رجحانات کا ذرا سا بھی مظاہرہ کیا، اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت میں دل چسپی لی یا اسلامی قوانین پر عمل درآمد کی کوشش کی اسے ظالم، متعصب، ہٹ دھرم اور تنگ نظر کہا گیا اور اس طرح یہ تاثر دیا گیا کہ اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد اور تنگ نظری دونوں اصل می ایک ہیں اور لازم وملزوم ہیں۔ اس طرح ان دونوں قوموں میں نہ صرف شخصی عداوت پیدا ہوئی بلکہ مذہبی منافرت بھی۔

مسلمان بادشاہوں یا حکم رانوں کے ذریعہ بتوں کے بے حرمتی، مندروں کا انہدام، جبری تبدیلیٔ مذہب وشادی، جلاوطنی، ضبطی، قتل اور قتل عام، ہوس رانیوں اور بلا نوشیوں کی خیالی اور مبالغہ آمیز کہانیاں گڑھی گئیں اور انہیں تاریخ کے طور پر پیش کیا گیا تا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر اور مشتعل کیا جا سکے اور انہیں خوش کیا جا سکے۔ ان سب کا نتیجہ یہ رہا کہ ہندو مسلمانوں کو اپنا ازلی دشمن سمجھنے لگے۔ دوسری جانب کچھ مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کو اپنا مخالف قرار دیا۔ وہ بھی جھوٹی باتوں اور واقعات پر اترانے لگے۔ انہیں فخریہ بیان کرنا اور دہرانا اپنا شعار بنا لیا۔ اس طرح یہ عداوت شخصی ہی نہیں تھی بلکہ مذہبی بھی بن گئی۔ شخصی عدواتیں وقت کے سات اتحاد ہو جانے پر اکثر مٹ جاتی ہیں لیکن مذہب کے نام پر ایک مرتبہ جو خلیج بن جاتی ہے وہ مشکل سے پٹتی ہے بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی گئی۔ نتیجتاً جوش میں معقول باتیں بھی ہیں سنی جاتیں۔ جب آنکھ اور دماغ کے درمیان ہم آہنگی نہ رہ جائے، اس میں عدوات پیدا ہو جائے تو آدمی ایک دوسرے کو دھوکا دینے لگتا ہے۔ آنکھ سے جو کچھ دیکھتا ہے دماغ اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ سچائی سامنے ہوتے ہوئے بھی دماغ کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ دوسری جانب خفیہ طور پر لیکن منصوبہ بند اور منظم انداز میں انگریز حکم رانوں نے تعلیم کے

چوں کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے ہی ہندوستان کی حکومت چھینی تھی اور مسلمانوں کو ہی اقتدار کی بساط پر شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا اس وجہ سے مسلمان نوابوں اور امراء میں انگریزوں سے نفرت ایک فطری اور لازمی امر تھا۔ وہ انگریزوں سے دور رہتے، انہیں اپنا حکم راں تسلیم نہیں کرتے اور انگریز مخالفت میں کوئی بھی دقیقہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ان کا مذہبی طبقہ کچھ زیادہ ہی پیش پیش تھا۔ انگریزی افواج یا انگریزی نوکری کو حرام قرار دیا گیا۔ انگریزوں کا اقتدار جوں جوں مضبوط ہوتا گیا مسلمانوں کی نفرت بھی ان سے بڑھتی گئی۔ ہندوؤں کا مسئلہ کے برعکس تھا۔ اقتدار کی منتقلی ان کے لئے صرف حکم رانوں کی تبدیلی تھی۔ کوئی ایمان، دین اور دھرم کا مسئلہ نہیں تھا۔ راجہ رام نرائن جو سراج الدولہ کا پٹنہ میں گورنر تھا بعد میں میر جعفر کے ساتھ مل کر انگریزوں کا ہی خواہ ہو گیا۔ اسی طرح پورنیا جو ٹیپو سلطان کا معتمد اور دیوانِ خاص تھا اس کی شہادت کے بعد انگریزوں کا دیوان بن گیا۔ انگریزوں کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ مسلمان ان کے قابو میں آنے والے نہیں ہیں اس لئے سیاسی حکمتِ عملی اور تجارتی مفاد کے پیش نظر انہوں نے ہندوؤں کے دلوں کو جیتنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا اصول اپنایا جو کہ اتفاق سے یہاں اکثریت میں بھی تھے۔

ذریعہ ہندوؤں مین عیسائیت کی تبلیغ بھی شروع کردی تاکہ ہندوؤں کوان کے آبائی دین سے منحرف کرکے عیسائی مذہب کا گرویدہ اور مداح بنالیا جائے۔(مسلمان اس سے مستثنیٰ قرار دئے گئے کیوں کہ وہ اپنے عقیدہ اور ایمان میں پختہ تھے اوران پرقابو پانا ممکن نہیں دکھائی دیا۔)

بقول لارڈ میکالے:

جس طرح ہمارے آباؤاجداد ایک دفعہ عیسائی ہو گئے تھے اسی طرح ہندوستان میں سب کے سب ہندوایک دفعہ عیسائی ہوجائینگے۔(۱۰)

اسے اپنے دعویٰ پراس قدراعتماد اوریقین تھا کہ اپنے والد کے نام لکھے اپنے ایک خط میں اس نے تحریر کیا ہے کہ:

بیس سال بعدایک بھی بت پرست ہندو بنگال(بشمول بہار، جھارکھنڈ، اڑیسہ اورآسام وغیرہ) میں نہ رہ جائے گا کیوں کہ انگریزی تعلیم کے زیر اثر بہت سے ہندوموحد بن جاتے ہیں یا بآسانی عیسائی مذہب اختیار کرلیتے ہیں ـــــــ ان کے مذہب کی تعلیم تقریباًان کے دلوں سے ختم ہوچکی ہے۔مغربی تعلیم اورمغربی تعلیم یافتہ اساتذہ کا اثران پراس قدرحاوی ہوگیا ہے کہ ہندوتعلیم یافتوں کا پچاس فیصدحسہ مادہ پرست اورروحانیت کا منکر ۲۵فیصد مبتلائے شک ہوتے ہیں اورصرف ۲۵ فیصد کٹر ہندورہ جاتے ہیں۔

انہیں حالات میں پھوٹ ڈالواورحکومت کروکی پالیسی اختیارکی گئی۔

لارڈ الفنسٹن (Lord Elphinston) ۱۴ رمئی ۱۸۵۸ کوایک سرکاری یادداشت میں لکھتا ہے کہ:

پھوٹ ڈالواورحکومت کروقدیم رومی طرزِعمل تھا۔ہماری حکمتِ عملی بھی یہی ہونی چاہئے ـــــــ اگرمیں یہ ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ میرے خیالات ڈیوک آف ویلنگٹن (Duke of Wellengton) کے خیالات کے عین مطابق ہیں تواس قدرواضح انداز میں اپنے خیالات کے اظہارکی جسارت نہیں کرتا۔(۱۱)

ایک برطانوی دانشورنے اپنے فرضی نام کرناٹیکس(Camaticus) کے تحت ایشاٹک جرنل کے مئی ۱۸۲۱ء کے شمارہ میں اسی طرح کی رائے کا اظہارکیا ہے کہ:

پھوٹ ڈالواورحکومت کروہماری ہندوستانی انتظامیہ کا خاص مقصد ہوناچاہئےخواہ وسیاسی ہویاسماجی یافوجی(۱۲)

فارنگٹن (Farington) نے اپنی ڈائری میں مورخہ ۲۱رمئی ۱۸۲۰ء کولکھا ہے وہ اس وقت کی برطانوی پالیسی کی بہت حدتک نشاندہی کرتی ہے:

رات کے کھانے کے بعد کرنل براؤن(Col Brown) نے ہمیں ہندوستان کے بارے میں اطلاعات فراہم کیں۔براؤن بنارس میں مامورتھا۔اس نے ملک کے اصل باشندے ہندوؤں کے بارے میں بتایا کہ وہ ہمارے راستے میں سنگ راہ نہیں ہیں۔ہندواس ملک کے اصل باشندے ہیں اورمسلمان یہاں زبردستی داخل ہونے والوں میں سے ہیں۔ان دونوں کے درمیان سخت بدگمانی اورتعصب بھی ہے۔برطانوی حکومت انے کے ممکنہ جذبات واحساسات کااستعمال کرتی ہے اوراس طرح حکومت کے خلاف ان کے آپسی اتحادکوروکتی ہے۔(۱۳)

لفٹنٹ جان کوک(Lt John Coke) لکھتا ہے کہ:

مذاہب اورنسلوں کاجوفرق ہندوستان میں ہے اس کوہمیں پوری قوت کے ساتھ باقی رکھنا چاہئے۔ ہمارامقصدان مختلف لوگوں کے درمیان باہمی میل جول پیداکرناہرگزنہیں ہوناچاہئے۔(۱۴)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران پھوٹ ڈالواورحکومت کروکی پالیسی کا استعمال جم کرکیا گیا۔بقول سندرلال لاہورکاچیف کمشنرہنری لارینس اودھ کے مسلمان سپاہیوں کوپنجاب کے سکھوں کے خلاف بھڑکانے کا کام کررہا تھاتواس کا بھائی جان لارینس پنجاب کے سکھوں کومسلمانوں کے خلاف بھڑکانے میں لگا تھا۔تمام مغل شہنشاہ سکھوں کے مخالف تھے اوران لوگوں نے سکھ گرؤوں کوقتل کروایا۔انگریز سکھوں کی مدد کرناچاہ رہے ہیں اورتاکہ وہ مسلمانوں سے اپنے گروکےقتل کا بھرپوربدلہ لےسکیں۔پنجاب کے تمام شہروں کی دیواروں پر بہادرشاہ ظفرسے منسوب غلط اعلان نامے لگوائے گئے کہ ۱۸۵۷ء کے مجاہدین سب سے پہلے ان سکھوں کاقتل عام کریں۔جب کہ میٹکاف خودیہ اعتراف کرتا ہے کہ بہادرشاہ بذاتِ خود دہلی شہرمیں گھوم کر یہ اعلان کررہا تھا کہ وہ صرف فرنگیوں کے خلاف ہے اورکسی بھی حالت میں کسی بھی ہندوستانی پرکوئی آنچ نہیں آنی چاہئے۔

(جاری۔۔۔)

’شہادتِ بابری مسجد سے سیکولر جماعتوں کے دامن خون آلودہ ہیں‘

ابوخدیجہ

’’بابری مسجد کی شہادت میں سیکولر جماعتوں کے دامن بھی خون سے آلودہ ہیں۔ بابری مسجد نے شہادت کے بعد ان سبھی چہروں سے نقاب اتار کر پھینک دیے ہیں اور اگر ابھی تک کسی کو یہ چہرے اصل روپ میں نظر نہ آتے ہوں تو یقیناً ان کی دماغی حالت پر شبہے کے علاوہ اور کیا کیا جاسکتا ہے؟‘‘

بابری مسجد کی شہادت کا جیسا ہی ذکر آتا ہے کچھ چہرے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور سارا کا سارا الزام ان چند لوگوں پر آ کر ٹھہر جاتا ہے۔لیکن کچھ چہرے ایسے پس پردہ ہیں جنہوں نے بابری مسجد میں مورتیاں رکھنے سے لے کر بابری مسجد کی شہادت تک اہم کردار ادا کیا اور پھر اس کے بعد مندر بننے تک کا راستہ صاف کیا لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ان چہروں کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔اب یہ بات کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ۲۲/دسمبر ۱۹۴۹ کی رات میں فیض آباد کلکٹر K.K.Nayer نے جواہر لال نہرو کے اشارے پر ابھے رام داس، رام سَکل داس اور سدرشن داس سے مورتیاں رکھوائی تھیں۔جب سردار پٹیل نے یوپی کے وزیر داخلہ لال بہادر شاستری سے کہا کہ یوپی حکومت کو پولیس کے ذریعہ مورتیاں ہٹوا دینی چاہئے تو نہرو نے وزیر اعلیٰ پنت کو ایک طویل ریڈیو گرام بھیجا جس میں کہا گیا کہ پورے معاملے کو قانون کے حوالے کردیا جائے۔نہرو کے بعد ان کی بیٹی اندرا گاندھی میدان میں آئی۔ وہ 1977ء کی ہار کا بدلہ مسلمانوں سے لینا چاہتی تھی۔چناں چہ انہوں نے کچھ سادھوسنتوں کو بلا کر سینئر کانگریس لیڈر داؤ پال کھنہ کی قیادت میں رام جنم بھومی مکتی یگیہ سمیتی بنوائی۔ اس میں اجودھیا کے سادھوؤں اور کانگریسی لیڈروں کو شامل کیا گیا۔اجودھیا سے چار رتھ چار سمت روانہ کیے گئے۔کانگریسی وزیر نے ان کو ہری جھنڈی دکھائی۔اس سے فارغ ہونے کے بعد اندرا نے مہاراجہ کرن سنگھ کی اگوائی میں وراٹ ہندو سمیلن دہلی کے بوٹ کلب میں کروایا۔پھر انہیں کی قیادت میں ’’ایکاتمتا یگیہ تحریک‘‘ چلوائی جس کے تحت پورے ملک میں زہریلے فرقے وارانہ نعروں کی وال پینٹنگ کروائی اور اس کا سوفیصد خرچہ اندرا گاندھی نے اٹھایا اور کام کی نگرانی مہاراجہ کرن سنگھ نے کی۔

راجیو گاندھی نے اقتدار سنبھالتے ہی اپنی پوری توجہ اجودھیا پر مرکوز کر دی۔ اس نے ویر بہادر سنگھ وزیر اعلیٰ سے کہا کہ بابری مسجد کو کسی بھی طرح سے ہندوؤں کو دینا ہے اور اس کے لیے پروگرام ترتیب دیے گئے۔ راجیو گاندھی نے ہی پچاس منٹ کا ایک کھیل عدالت میں کھیلا جس کی بنیاد پر بابری مسجد کے بند تالے ہندوؤں کے لیے کھول دیے گئے۔راجیو گاندھی کے دورِ حکومت میں ہی Status Quo کے باوجود 9/نومبر 1989 کو وہاں رام مندر کا شلانیاس کرایا گیا۔پھر 6/دسمبر 1992ء کو کانگریس، آر ایس ایس، مرکزی حکومت، یوپی حکومت چاروں کی سازباز اور ملی بھگت سے دن کی روشنی میں بابری مسجد شہید کر دی گئی۔مسلمانوں کو لبھانے کے لیے وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے وعدہ کیا کہ ہم بابری مسجد کی تعمیر کروائیں گے لیکن بعد میں انہوں نے کہا کہ حکومت کا کام مسجد بنوانا نہیں ہے۔وزیر اعظم راؤ اس غلط فہمی میں تھے کہ اس کی وعدہ خلافی پر کون اس کی پکڑ کر سکتا ہے لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ ابھی آخری عدالت تو باقی ہے۔جب مجرم اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے اور کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوگی تو تمنا کر رہے ہوں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور اس میں ہم سما جائیں۔لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

سیکولر طاقتوں نے اپنے مفاد کے لیے جس طرح عدالتوں کا سہارا لیا اور عدالتوں کی ساکھ مجروح ہوئی وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں رہی۔اوّل روز سے اب تک عدالتوں میں جو بھی کھیل کھیلا گیا، اس سے اللہ کی عدالت پر مسلمانوں کا بھروسہ مضبوط ہوتا ہے اور یہ بات دل کی گہرائیوں میں بیٹھ جاتی ہے کہ ایسی عدالت باقی ہے جہاں لوگوں کو حقیقی انصاف ضرور نصیب ہوگا۔ بابری مسجد کے مسئلہ میں مسلمانوں کو سب سے پہلا عدالتی زخم اس وقت لگا جب 29/دسمبر 1949ء کو مسجد کو قرق کر لیا گیا اور فیض آباد میونسپل چیرمین بابو پریہ دت رام (Babu Priya Dutt Ram) کو ریسور مقرر کر کے پوجا پاٹ

کی اجازت دے دی گئی۔ پھر ایک Administrative Order جاری کرکے امن وقانون کے نام پر مسجد کی عمارت کے دوسو گز کے دائرے کے اندر کسی بھی مسلمان کے داخلے پر پابندی لگادی گئی۔ اس جائداد کو حاصل کرنے کے لیے 17/دسمبر 1959ءکو نرموہی اکھاڑے اور 18/دسمبر 1961ءکو سنّی سینٹرل وقف بورڈ نے مقدمہ دائر کیے لیکن دونوں کو عدالت نے میعاد سے باہر ہونے کی بنیاد پر خارج کردیا۔ حیرت اس وقت ہوئی جب ایک 1/جولائی 1989ءکو دیوکی نندن اگروال نے رام للا براجمان کے دوست کی حیثیت سے ایک نیا مقدمہ اس موجودہ بینچ میں دائر کیا اور 28/سال بعد دائر ہونے والے مقدمہ کو اس بنیاد پر معیاد کے اندر قرار دیا گیا کہ رام للا دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

راجیو گاندھی نے اپنے پچاس منٹ کے عدالتی کھیل میں سپریم کورٹ کے ایک برہمن جج کو فیض آباد بھیج کر ضلع جج کو راضی کیا کہ وہ ایک سادہ درخواست پر تالا کھولنے کی اجازت دے۔ ایک کانگریسی برہمن امیش پانڈے نے تالا کھولنے کی درخواست دی۔ عدالت نے فیصلہ دیا اور کانگریس ممبر پارلیمنٹ کے باپ کے ہاتھوں تالا توڑنے میں کل ملا کر پچاس منٹ ہی لگے۔ مسئلہ

بابری مسجد میں یہ مسلمانوں کی چھٹی شکست تھی۔ 30/ستمبر 2010ءکو الہ آباد ہائی کورٹ کا بندر بانٹ فیصلہ بھی پوری ہندوستان عوام کے سامنے ہے۔ ہندو اور مسلمان فریقوں کو مقدمے سے خارج کرنے کے بعد بھی ان کو ایک ایک تہائی زمین دی گئی۔ دیوکی نندن اگروال کا مقدمہ میعاد کے اندر مان کر (حالاں کہ بعد میں دائر کیا گیا) ان کو بھی رام للا براجمان کے دوست کی حیثیت سے ایک تہائی زمین دے دی گئی۔ پھر سپریم کورٹ کا فیصلہ، جس نے مندر بننے کی راہ پر مہر لگادی، وہ بھی بھارت کو عالمی پیمانے پر رسوا کرنے کے لیے کافی ہے۔ 'ایک طرف عدالت کا مسلمانوں کے تمام شواہد کو تسلیم کرنا اور پھر ہندوؤں کو مندر بنانے کے لیے زمین دے دینا' سمجھ سے باہر ہے۔ اس کے بعد لکھنؤ کی عدالت کے ذریعہ بابری مسجد کے تمام مجرمین کو بَری کردینا بھارت کی عدلیہ کی تاریخ کی تاریک ترین مثال ہے۔ اور بھارتی عدالتوں کے مذکورہ بالا سارے 'مثالی' فیصلوں کی کوئی وضاحت اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ 'طاقت ور کا جرم کوئی جرم نہیں ہوتا'۔ اب ممبر پارلیمنٹ کے یہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں: ''اب جو سوچتا ہے کہ اس ملک میں طاقتور کے مقابلہ میں کمزور کو انصاف مل سکتا ہے، اس کی جگہ صرف پاگل خانہ میں ہی ہوسکتی ہے۔''

آپ کا مخاطب آپ کا مخالف نا ہو جائے۔

اعترافِ حق:

دعوت واصلاح کی راہ میں کوئی داعی عیب وخامیوں سے مبرا نہیں بلکہ انسان ہے ہی عیوب وخوبیوں کا مرکب تو جب بھی آپ سے کسی غلطی کا صدور ہوجائے جو آپ کے مخاطب کی نظر میں آجائے تو اس کا اعتراف کرلیجیے کوئی مس مسئلہ آپ سے پوچھا جائے جس کا آپ کو علم نہیں ہے بتادیجیے کہ آپ نہیں جانتے یہی آپ کی دعوت کی کامیابی کے لیے مناسب ہے۔

دلائل، نظریات کا مطالعہ

ایک داعی کا مختلف اور رائج الوقت افکار ونظریات پر گہرا مطالعہ اور غالب علوم پر دسترس ہونی چاہیے جب چاہے وہ ان افکار ونظریات کی تار پور کھول کر رکھ دے اسی کے ساتھ جس دعوت کو وہ لیکر آٹھا ہے اس کی صداقت اور مخالف اور باطل افکار و نظریات کو غلط ثابت کرنے کے دلائل کا ایک ذخیرہ اس کے پاس ہونا چاہیے۔

خود لائبریری بن جائیں:

یہ نکتہ بہت اہم ہے افراد کی فکری ونظریاتی تربیت ان کی صلاحیتوں میں نکھار اور ان کی شخصیت سازی کے لیے کوئی بھی تحریک اپنا پورا لیٹریچر رکھتی ہے لیکن فی زمانہ موبائل نے مطالعہ کا پورا ذوق اور شوق چھین لیا ہے ایسے میں ہمارے پاس یہ شکایت بہت زیادہ پائی جاتی ہیکہ لوگ آفس پر مطالعہ کے لیے وقت دیتے ہیں نا کتاب لینے آتے ہیں یہ میرا ذاتی تجربہ ہے اور اس وقت انتہائی کارگر طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم خود لائبریری بن جائیں ہمارے جس بھائی سے بھی ملاقات کرنا ہے یا جن لوگوں کو دعوت دینی ہے ہم ساتھ کتاب لے جائیں ایک وقت مقررہ پر کتاب واپس لینے کا وعدہ کرکے اسی وقت کتاب واپس لے لی جائے اگر چہ کہ جسے کتاب دی گئی اس نے کتاب نا پڑھی ہو لیکن یقین جانیے یہ کتاب لینے اور دینے کے سلسلے میں صرف دو تین مرتبہ ایسا ہوگا کہ کتاب نہیں پڑھی گئی لیکن اس کے بعد آپ کی کوشش کامیاب ہوگی

مایوس نا ہو:

داعی کی پوری دعوت کا حاصل صرف اور صرف اللہ کی رضا ہی ہوتی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں اور داعی کو پتہ ہونا چاہیے کہ وہ صرف دعوت دینے اور اپنی حتی المقدور کوشش کا مکلف ہے کسی کا ہدایت پاجانا یا گمراہی میں عمر گزار دینا اس سے داعی کی دعوت نا بے نتیجہ رہے گی اور نا وہ آخرت میں مجرم ٹھہرے گا دوسرا نکتہ یہ کہ ایک داعی کو سوچنا چاہیے کہ نا وہ انبیاء علیہم السلام سے اچھا داعی ہوسکتا ہے اور نا ہی اس کے مخاطبین ابوجہل اور ابولہب جتنے سخت دل ہوسکتے ہیں اسی لیے بنا کسی ناامیدی اور مایوسی کے اپنا کام کیے چلے جانا ہی داعی کا فریضہ ہے۔

تعلیم آزادی و انقلاب کا پہلا زینہ

منہاج الاسلام فلاحی

تعلیم سے دل بدل جاتا ہے اور دل بدل جانے سے نہ صرف خاندان بلکہ پورا معاشرہ اور پوری قوم بدل جاتی ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف قادسیہ کی جنگ میں ایرانی فوج کے سپہ سالار اعظم رستم نے اس وقت کیا جب اس کی فوج اہل ایمان سے کئی بار شکست کھا چکی۔ اس نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا

عمرؓ نے میرا سینہ کھالیا ہے اس نے ان کتوں کو (اہلِ عرب) بات کرنے کا ڈھنگ سکھا دیا اور اسے عقل کی تعلیم دے رہا ہے۔ ایرانی عرب قوم کو غیر مہذب و بے عقل سمجھتے تھے۔ عربوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ عمر ایرانیوں سے مرعوب رہتے ان کے یہاں نوکری کرنا باعث فخر سمجھتے۔ لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کی آمد کے بعد اسلام کے دوسرے خلیفہ عمرؓ کے دور امارت میں جب قادسیہ کے میدان میں اہل ایمان سے ایرانیوں کا مقابلہ ہوا اور وہ بار بار شکست سے دو چار ہوئے سپہ سالار رستم بہت زیادہ حیرت زدہ تھا کہ آخر کس طرح اور کس چیز نے اس غیر مہذب قوم کو اس قدر مہذب و بلند کر دیا۔ وہ اس بات سے حیران تھا کہ ہتھیار کی قلت کے باوجود کس قدر نظم وضبط سے یہ مقابلہ کر رہے ہیں۔ جل بھن کر جو جملہ اس کی زبان سے ادا ہوا اس کا مقصد و مطلب یہی تھا کہ عقل و بیان کی اس بلندی پر عمرؓ نے اس قوم کو پہنچا دیا کہ اب وہ میدان جنگ میں بھی مہذب ترین قوم کو شکست دینے کے لائق ہو گئے ہیں۔

عربوں کے اندر اس انقلابی تبدیلی کی اصل وجہ اسلام تھا۔ جس کی تعلیم نے نہ صرف یہ کہ ان کے عقل و شعور کو پختہ کیا بلکہ ان کے اندر ایسی تحریک پیدا کر دی جس نے پوری دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ علم کے ساتھ جب عمل کی تحریک پیدا ہو جائے تو قوم انقلاب برپا کر دیتی ہے اور علم کے ساتھ جب عمل کی تحریک نہ ہو بلکہ علم صرف بحث ومباحثہ اور حصول لذت کا ذریعہ بن جانے تو اس سے قوموں میں زوال کنفیوژن وانتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے علم کو عمل سے جوڑ دیا۔

علم وفن کے چرچے اسلام سے پہلے بھی تھے لیکن وہ صرف ایک مخصوص طبقے تک محدود تھا۔ علم کو معاشرے میں معیار بزرگی و برتری حاصل نہ تھی۔ اہل مغرب میں لکھنے پڑھنے والوں کی حیثیت ویسی ہی تھی جیسا کہ بڑھی، ولوہار کی ہوتی ہے کہ وہ بھی ایک فن جانتا ہے اور یہ بھی۔ جب مسلمان اندلس میں جگہ جگہ یونیورسٹیز قائم کر رہے تھے اس وقت فرانس کے کئی بادشاہوں کی حالت یہ تھی کہ وہ دستخط بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہندوستان میں علم وفن صرف برہمن طبقے تک محدود تھا۔ تعلیم کا اختیار صرف برہمنوں کو حاصل تھا۔ شودر علم حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی شودر اگر وید کا کوئی اشلوک سن لیتا تو اس کے کان میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا۔ ارسطو جیسا مفکر اس بات کا مبلغ تھا کہ عورتوں اور غلاموں کو علم نہ سکھایا جائے۔ خود کو علم وفن کا نمائندہ سمجھنے والا امریکہ کی ریاست کیرولینا بس ۱۸۳۴ء میں یہ قانون پاس ہوا کہ اگر کوئی شخص غلام حبشیوں کو تعلیم دیتے ہوئے یا تعاون کرتے ہوئے پکڑا گیا تو وہ اگر وہ شخص سفید فام ہے تو اس کو ایک سوڈالر جرمانہ اور چھ ماہ کی قید سزا ہوگی اور اگر وہ کالا ہے تو پچاس ڈالر جرمانہ اور پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

لیکن اسلام نے علم کے حصول کو ہر طبقے پر فرض قرار دیا۔ اسی اصول نے اسلام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ اور جابر وظالم حکومتیں اسلام کی اسی پالیسی کے سبب جھنجلاہٹ کا شکار ہو گئیں اور نہ صرف میدان جنگ میں بلکہ تہذیب وتمدن کے میدان میں بھی اسلام کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

بعثت نبوی کے وقت صرف ۱۷،۱۸/افراد تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔تاریخ انسانیت کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں کا فدیہ یہ قرار پایا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزادی حاصل کرلیں۔اسلام کی ابتداء ہی اِقْرَاء (پڑھ) سے ہوئی۔ابتدائی وحیوں میں نہ صرف یہ کہ لکھنے پڑھنے کا ذکر ہے بلکہ اس کی قسمیں تک کھائی گئیں ہیں۔ن۔والقلم وما یسطرون (ن،قسم ہے قلم کی،اورقسم ہے اس کی جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں) آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ انما بعثتُ معلما، میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اسلام نے علم کو ہی انقلاب کا پہلا زینہ بنایا۔

دوراوّل کا نظام تعلیم کی ایک جھلک:

سب سے پہلا تعلیمی مرکز ہونے کا شرف حضرت زید بن ابی ارقمؓ کے مکان کو حاصل ہے جوکہ کوہ صفا پر واقع تھا۔مکہ میں جب کہ مسلمان حالت جنگ میں تھے اور مختلف طرح کی چوطرفہ پریشانیوں میں گھرے ہوئے تھے تو یہی مکان ان کا مرکز تھا۔یہیں آکر اسلام سیکھتے اور وحی الہیٰ کو ذہن نشین کرتے۔پھر جب مدینہ ہجرت ہوگئی تو مسجد نبوی کے بائیں سمت ایک چبوترہ بنایا گیا جوکہ اقامتی ادارہ تھا۔مختلف قبائل اور جگہوں سے لوگ آکر قیام کرتے اور علم سیکھ کر چلے جاتے اور اپنے علاقے میں تعلیم دیتے۔انہیں اوڑھنے اور پہننے کے لیے مکمل چادر تک نصیب نہیں ہوتی۔ان کے کھانے پینے کی ذمہ داری اہل مدینہ کی ہوتی تھی۔یا تو گھر لے جا کر کھلاتے یا کھانا بھیج دیتے۔بعض طالب علم جنگل سے لکڑی کاٹ کرلاتے تھے اور بازار میں بیچ کر اپنا گزارہ کرتے تھے۔نبیؐ کے علاوہ عبادہ بن صامتؓ بھی اس میں معلمی کے فرائض انجام دیتے وہ طالب علموں کو لکھنا سکھاتے تھے۔صفہ سے فیض یافتہ طالب علموں کو ہی آپؐ مختلف منصب پر مامور کرتے تھے۔

دوراوّل میں مساجد کو ہی مراکز تعلیم کو بھی حیثیت حاصل تھی۔جتنے جامعات اسلامی ممالک میں کھولے گئے وہ زیادہ تر مساجد میں ہی قائم کیے گئے یا مسجد سے بالکل متصل ـــــ مسجد نبوی بھی تعلیم کا مرکز بنایا گیا۔فجر کی نماز کے بعد رسولؐ میں ہی ٹھہرتے اور صحابہ کو تعلیم دیتے۔مصلی سے اٹھ کر آپ اسی مقام پر آکر بیٹھ جاتے جہاں آج کل ستون توبہ ہے۔یعنی منبر اور حجرہ کے درمیان والا چوتھا ستون۔صحابہ آپ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اگر افراد زیادہ ہوتے تو پہلے حلقہ کے گرد دوسرا حلقہ بن جاتا۔اکثر صحابہ اس صبح کی مجلس میں شریک ہوتے جو کاروبار کے سبب نہ رُک پاتے وہ حاضر صحابہ سے بعد میں آپؐ کی حدیث سنتے۔

جب آپؐ نے یمن میں وبر بن یحنسؓ کو والی بنا کر بھیجا تو نصیحت کی کہ پہلے لوگوں کو ایمان کی دعوت دو پھر نماز کا حکم دو پھر ان کے لیے باذان کے باغ میں ایک مسجد تعمیر کرو۔پھر جب مسجد تعمیر ہوگئی تو آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو یمن اور حضرموت میں بحیثیت معلم بھیجا۔حضرت معاذؓ بحیثیت ناظر تعلیمات یمن وحضرموت بھیجے گئے۔

مدینہ میں دوطرح کی درس گاہ قائم ہوئی ایک تو مستقل ''صفہ'' تھا جوکہ ایک اقامتی ادارہ تھا جہاں طلبہ قیام کرتے اور لکھنا پڑھنا سکھتے۔دوسرا حلقہ درس تھا جوکہ روزانہ فجر کے بعد قائم ہوتا اس میں عمومی طور پر صحابہ شامل ہوتے۔حضرت ابوبکرؓ تک اسی طرح سے تعلیم کا رواج رہا۔حضرت ابوبکرؓ کی رحلت کے بعد صحابہ کرامؓ نے اپنا اپنا حلقہ درس قائم کرلیا تھا۔پھر جب حضرت عمرؓ کا دور آیا تو نظام تعلیم میں بڑی تبدیلی آئی۔

☆ حضرت عمرؓ دور سے قبل تعلیم وتعلم کا کام رضاکارانہ تھا لیکن عہد فاروقی میں اسے ایک نظم سے منسلک کرکے سرکاری بنا دیا گیا۔

☆ آپؓ نے بچوں کی تعلیم کی طرف بطور خاص توجہ دی۔بچوں اور بچیوں کو مسجد نبویؐ میں جمع کیا اور عبداللہ بن خزاعی کو ان کی تعلیم پر متعین کیا۔

☆اساتذہ کی تنخواہ پندرہ درہم ماہانہ اور طالب علموں کو ۵ درہم ماہانہ بطور وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا گیا۔اس کے بعد سے اساتذہ کو تنخواہ اور طالب علموں کو وظیفے دینے کا رواج عالم اسلام میں مستقل جاری رہا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وقت تک تنخواہ سو دینا ہوگئی تھی۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حمص کے والی کو لکھا تھا کہ ان لوگوں پر نظر رکھو جنہوں نے خود کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کردیا ہے، جو مساجد (مدارس) میں مقیم ہوگئے ہیں، جنہوں نے دنیا کی طلب کو ترک کردیا ہے۔ان میں سے ہر ایک کے لیے سو سو دینار وظیفہ مقرر کردو تاکہ ان کی ضرورت کی کفالت ہوسکے جیسے ہی تم کو میرا یہ خط ملے فوراً بیت المال سے رقم ان لوگوں کو ادا کردو'' حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ میں زید بن ثابتؓ کو صدر مدرس مقرر فرمایا تھا ان کے علاوہ تین شخص اور بھی تھے جو تعلیم دیتے تھے۔ان کو معلم الصبیان کہا جاتا تھا، سرکاری بیت المال

سے ان کو باضابطہ تنخواہ دی جاتی تھی۔

جبری تعلیم

اسلام نے حصول تعلیم کو فرض ولازم قرار دیا۔لہذا جس طرح اقامت نماز کا نفاذ سرکاری طور پر ہوتا تھا اسی طرح حصول تعلیم کے نفاذ کی ذمہ داری بھی سرکار پر تھی۔

''عبدالرحمٰن بن ابزیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپؐ نے خطبہ دیا۔اس میں مسلمانوں کے بعض قبیلوں کی تعریف کی، پھر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہ فقہ کی تعلیم دیتے ،نہ علم سکھاتے ،نہ وعظ کہتے نہ نیکی کا حکم دیتے نہ برائی سے منع کرتے؟ خدا کی قسم یا تو لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں،فقہ سکھائیں،وعظ کہیں، نیکی کا حکم دیں،برائی سے روکیں۔اور لوگ بھی اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں۔فقہ سیکھیں ،وعظ سنیں،ورنہ میں جلدان کو سزادوں گا۔اس کے بعد آپؐ منبر سے اتر آئے۔لوگوں میں بات شروع ہوگئی کہ آپؐ کا اشارہ کس طرف ہے؟ کہا گیا کہ قبیلہ اشعری کی جانب،جب اشعریوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے سامنے بھی وہی باتیں کہیں جو کہ منبر پر فرمائی تھیں۔اس پر انہوں نے فرمایا کہ ہمیں سال بھر مہلت دیجئے۔آپؐ نے انہیں سال بھر کی مہلت دی تاکہ وہ اپنے پڑوسی قبیلہ جو کہ بدو و کاشت کار تھے کو تعلیم دیں وعظ کہیں اور فقہ سکھائیں۔(طبرانی کبیر)

☆عمر فاروقؓ نے ایک گشتی معلمین کی جماعت مقرر کی جوراہ چلتے لوگوں کی خواندگی کا امتحان لیتے تھے جو لوگ ناخواندہ ہوتے ان کو پھر کسی مکتب میں داخل کر دیا جاتا تاکہ وہ قرآن کا ضروری حصہ سیکھ لیں۔

☆بدوؤں کی تعلیم کے لیے آپ نے ابوسفیانؓ کو چند افراد کے ساتھ مقرر کیا تھا جو دیہات میں گشت کرتے تھے اور جو ناخواندہ ہوتا تھا اسے خود پڑھاتے تھے۔(الاصابہ)

تعلیم نسواں:

یہ خوبی صرف اسلام کی ہے کہ اس نے تعلیم کو عورتوں پر بھی ویسے ہی لازم کیا جیسا کہ مردوں پر۔آپؐ نے عورتوں کی تعلیم ہی کا انتظام فرمایا۔فجر کی نماز کے بعد ہفتہ میں ایک دن عورتوں کی تعلیم کے لیے مخصوص کر دیا۔اس دن صرف صحابیات ہی مسجد نبوی کی درس میں حاضر ہوتی تھیں اس دن مرد صحابہ نہیں آتے تھے۔آپؐ نے فرمایا کہ عورتوں کے لیے قرآن پڑھنے ارکان دین سیکھنے کے بعد گھر میں چرخہ کا تناسب سب سے بہتر مشغولیت ہے۔(ابونعیم)

☆ام المؤمنین حضرت حفصہؓ پڑھنے کے ساتھ لکھنا بھی جانتی تھیں۔انہوں نے گھر پر ہی بچیوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ کھول رکھا تھا۔حضرت عائشہؓ مرد صحابہ سے زیادہ فقیہ تھیں ،قرآن ،حدیث ،فقہ کے علاوہ اشعار عرب،انساب عرب،اور طب عرب کی بھی ماہر تھیں۔

لہذا حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حلقہ درس میں خواتین اور بچیاں مستقل آتی تھیں۔قرآن،حدیث ،فقہ ،طب کے علاوہ لکھنا بھی سیکھتی تھیں۔ان دونوں کی حیات تک یہ سلسلہ جاری رہا۔اس کے بعد سرکاری طور پر اس کا نظم یوں کیا گیا کہ چھوٹی بچیوں کو مساجد ومکاتب میں تعلیم دی جاتی اور عورتیں گھروں پر اہل علم عورتوں سے سیکھتیں۔

دوسری زبان کا سیکھنا:

امام زہریؒ سے مروی ہے کہ ایک دن رسولؐ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا کہ میرے پاس بادشاہوں کے خطوط آتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ کوئی غیر اس کو پڑھے،کیا تم عبرانی یا سریانی زبان سیکھ سکتے ہو۔حضرت زید نے حامی بھرلی ور پھر صرف ۱۷دن میں یہ زبان سیکھ لی۔نیز حضرت زیدؓ نے کسریٰ کے ایلچی سے فارسی زبان سیکھی، آپؐ کے ایک خادم سے رومی (یونانی) زبای سیکھی حبشی زبان بھی حضورؐ کے ایک دوسرے خادم سے سیکھی قبطی (مصری) زبان حضورؐ کی خادمہ سے سیکھی (عقدالفرید لجمعہ البر)اس طرح زیدؓ نے تمام ہمسایہ ملکوں کی اجنبی زبانیں سیکھ لیں۔دوسری زبانوں کے سیکھنے کی ترغیب حضرت زیدؓ کے اس عمل سے ملتی ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سلیط بن عبداللہ حنفیؒ کو اشاعت اسلام کے لیے چین بھیجا تھا۔ظاہر وہاں عربی تو نہ رہی ہوگی۔

غیر درسی سرگرمیاں:

اسلامی درس گاہوں میں صرف قرآن ،حدیث ،فقہ کی تعلیم ہی نہیں دی جاتی تھی ،بلکہ اس کے علاوہ علوم بھی طلبہ کو سکھائے جاتے تھے۔نیز مفید تفریح کی ترغیب بھی طلبہ کو دی جاتی تھی۔

☆عہد فاروقی میں عمومی تعلیم کا جو نظم حلقہ درس کی شکل میں قائم کیا گیا تھا۔اس میں وعظ وتلقین کے وقت واعظ اپنے خطبات کو دل چسپ

بنانے کے لیے قصہ کہانیاں اور ضرب الامثال سناتے تھے۔

☆ حضرت عمرؓ نے دمشق کا صدر مدرس حضرت ابو درداءؓ کو بنا کر بھیجا تھا۔ جہاں حضرت ام ابو درداءؓ بھی تعلیم دیتی تھیں۔ وہ کتابت سکھاتی تھیں تختیوں پر ضرب الامثال لکھ کر دیتی تھیں۔ بچے اس کی مشق کرتے تھے۔

☆ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو حرم شریف میں مدرس مقرر فرمایا۔ وہ حرم مکہ میں بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ ہر روز الگ الگ علوم کا درس دیتے۔ ایک دن تفسیر، ایک دن حدیث ایک دن مغازی، ایک دن ادب وشاعری، ایک دن عرب کے ماضی کے حالات یعنی عمومی تاریخ بیان کرتے۔

☆ جو واعظ خطابت کو دل چسپ بنانے کے لیے قصے وغیرہ سناتے تھے انہیں قصاص کہا جاتا تھا۔ بصرہ کی مسجد میں جن صاحب کا بحیثیت قصاص تقرر ہوا تھا ان کا نام اسود بن سریع بن حمیر تمیمی تھا۔ قصاص عموماً بالکل ہی ناخواندہ و بدو عوام کو قصے کہانیوں کے ذریعہ تعلیم دیتے تھے۔

☆ حضرت عمرؓ نے گورنروں، مدرسین اور عوام کے نام عمومی مراسلہ میں لکھا کہ اپنے بچوں کو تیر اندازی اور شہسواری سکھاؤ، ضرب الامثال اور اچھے اچھے اشعار یاد کراؤ۔

طلبہ کو ہدایت دیتے ہوئے ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ''جب تمہارا جی تفریح کرنے کو چاہے تو تیر اندازی کی مشق کرو، اور جب بات چیت کرنے کو دل چاہے تو علم وراثت پر گفتگو کرو۔

☆ اسلامی طرز تعلیم میں طلبہ کی نفسیات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

مالک بن حویرثؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان لڑکے رسولؐ کی خدمت میں آئے آپؐ کے پاس ۲۰ر دن گذارے رسولؐ بہت مہربان وشفیق تھے۔ آپؐ نے تاڑ لیا کہ ہم کو گھروں کی یاد آرہی ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کون کون گھر پر بیوی چھوڑ آیا ہے؟ ہم نے بتلا دیا۔ آپؐ نے فرمایا اب تم اپنے گھر جاؤ وہاں جا کر ان کے ساتھ رہو، ان کو دین کی تعلیم دو اور نمازیں پڑھو۔ فلاں وقت اس طرح اور فلاں وقت اس طرح۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور جو بڑا ہو وہ امامت کروائے۔

اس واقعہ سے پتا چلا کہ جب آپ کو یہ محسوس ہوا کہ انہیں گھر کی یاد آرہی ہے تو فوراً روانہ ہونے کا حکم دیا جبراً روک کر نہیں رکھا۔

☆ بچوں کی تعلیم میں ان کی نفسیات کا خیال رکھنے کا حکم دیتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب بچہ مکتب آئے تو ضرور اس کو کھیلنے کودنے کا موقع دیا جائے اس طرح تعلیم کی تھکاوٹ سے وہ آرام پالے گا۔ بچہ کھیل سے نہیں تھکتا۔ اگر اس کو منع کیا جائے گا تو اس کا دل مرجھا جائے گا اور اس کی زکاوت ماند پڑ جائے گی۔ زندگی میں پھر اس کو لطف نہیں آئے گا وہ چھٹکارہ حاصل کرنے کے لیے پھر فرار کی راہ اختیار کرے گا۔

یہ ہے ہمارے دورِ اوّل کے تعلیمی نظام کی ہلکی سی جھلک۔ آج جب کہ ہم دوسری اقوام کے رائج کردہ نظام تعلیم میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں ایسے میں دور اوّل کے اپنے تعلیمی نظام کی اس مختصر سی جھلک سے استفادہ کرتے ہوئے ہم اپنے درمیان ایک ایسا متبادل نظام تعلیم رائج کر سکتے ہیں جو کہ ہمیں مشترکہ تعلیمی نظام میں حصول تعلیم کے باوجود اس کے برے اثرات سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ یقین جانیں تعلیم ہی انقلاب کی پہلی سیڑھی ہے۔ اس پر قدم رکھے بغیر ہم بلندیوں کی طرف نہیں بڑھ سکتے۔ اقوام کے عروج وزوال میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے اس کا ادراک اب ہر قوم کو ہو چلا ہے۔ دوسری اقوام کو یہ شعور اسلام نے ہی عطاء کیا تھا۔

یورپ کو ہمارا ہی سبق یاد ہوا ہے
لائق تھا جو شاگرد اب استاد ہوا ہے

☆ علم ایک ہتھیار ہے جس کے ذریعہ ایک قوم دوسری قوم کو شکست دینے کا کام بھی کرتی ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا العلم سلاحی علم میرا ہتھیار۔ اس ہتھیار کا استعمال آج بھول گئے لیکن ہمارے دشمن اسے ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ایک سکھ لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے ۱۹۳۰ء کا ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے پرتاب اخبار میں لکھا تھا کہ بعض ہندو لیڈروں نے درپردہ یہ منصوبہ بنا رکھا تھا کہ حکومت ہاتھ میں آنے کے بعد وہ تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کی مسلمانی نکال دیں گے۔

اب ہماری مسلمانی نکالنے کے دن قریب آگئے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے پیمانے پر مضبوط پلاننگ کر کے اپنی مسلمانی کو بچانے کی کوشش میں لگ جائیں۔

انفرادی دعوت کیوں اور کیسے؟

پرویز نادر

دعوت وتبلیغ کس لیے؟

خیر امت:

کیونکہ اللہ رب العزت نے بار رسالت ﷺ کا فرض کار رسالت کے مشن کے طور پر اس امت کو عطا کیا اور خیر امت کے گراں قدر خطاب کے ذریعے فرمایا:

تم بہترین گروہ ہو جو تمام انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو (کیونکہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر (مکمل) ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ اُن کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ مگر اِن میں سے کچھ تو ایماندار ہیں، مگر اکثر اِن میں کے بدکار ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یہ کام اسی امت کے سپرد کر دیا گیا ہے بلکہ سابقہ اقوام کے لیے انبیاء کا پورا سلسلہ اسی کام کے لیے چلایا گیا رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (سورہ نساء ۱۶۵) یہ سارے کے سارے رسولؑ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے تاکہ اُن پیغمبروںؑ کے (آنے کے) بعد لوگوں کے سامنے کوئی حجت یا عذر باقی نہ رہ جائے، اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست غلبہ رکھنے والا اور دانائی کے ساتھ ٹھیک کام کرنے والا* انفرادی دعوت* آج اس جدید دور میں دعوت تبلیغ کے بہت سے ذرائع و طریقہ کار رائج ہیں جس کے ذریعے سامعین ومخاطبین متوجہ ہوجاتے ہیں لیکن انفرادی دعوت کی اپنی ایک امتیازی حیثیت و اہمیت ہے کیونکہ انفرادی دعوت اپنے اندر کئی خصوصیات رکھتی ہیں۔

(1) انبیاء علیہم السلام کا دعوت کا طریقہ کار انفرادی رہا ہے ایک ایک فرد کے پاس جا کر توحید و رسالت کی دعوت دینا مسنون طریقہ بھی ہے رسولؐ اللہ نے اپنے دعوت کی ابتدا بھی اسی طریقے سے کی شروع کے نبوت کے تیئیس سال کا عرصہ اسی طریقے کار پر منحصر ہے اسی لیے انفرادی دعوت میں انبیائی برکتیں بھی شامل ہیں۔

(2) نیٹورکینگ مارکیٹینگ آج کے جدید دور میں تجارت کا ایک مؤثر ذریعہ مانا جارہا ہے جس میں صارف یا گراہک کو راست کمپنی سے جوڑ دیا جاتا ہے درمیان کے تمام وسیلے جیسے ،اسٹاکس، ہول سیلر، اور ریٹیلر کم یا ختم کر دیے جاتے ہیں اور شئے کا منافع گراہک سے لیکر کمپنی تک تقسیم ہوتا جاتا ہے اسی طرح انفرادی دعوت میں داعی بغیر کسی وسیلے کے اپنے مخاطب سے اپنا تعلق قائم کرلیتا ہے۔

(3) اس میں آسانی ہوتی ہے زیادہ مغز ماری نہیں ہوتی۔۔۔۔ جیسے کسی میدان یا حال میں پروگرام منعقد کرنا ہوتو وسائل ،اخراجات ،افرادی قوت وغیرہ کے مسائل درپیش نہیں ہوتے آسانی سے داعی اپنی دعوت کسی کے سامنے پیش کرسکتا ہے۔

(4) اس میں داعی ہر طرح کی بندش سے آزاد ہوتا ہے، بہت سارے افراد کا مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ مجموعہ کے سامنے گفتگو کر نہیں پاتے یا اسٹیج پر وقت کی بندش بھی ہوتی ہے لیکن انفرادی دعوت میں داعی ہر طرح کی بندش سے آزاد ہوکر سامع یا مخاطب کو احسن انداز میں دعوت دے سکتا ہے۔

(5) اس میں داعی ہر طرح کی نمود وریا سے محفوظ رہتا ہے اکثر اوقات اسٹیج کی چمک دمک اور لوگوں کی پزیرائی یا داد وتعریف اور اس سے بڑھ کر شہرت انسان کی سادگی اور خلوص کو کھا جاتے ہیں اور یہی سے وہ خود پسندی یا نمود ونمائش کا رسیا بنتا چلا جاتا ہے لیکن انفرادی دعوت میں نا اسٹیج اور زیادہ سامعین کا کھٹکا ہوتا ہے اور نا ہی نمود ونمائش کا کوئی موقع ہوتا ہے بلکہ ایک پیغام ہوتا ہے جس کو لیکر وہ خود چل کر اپنے ہدف کی طرف جاتا ہے۔

(6) ارباب اقتدار اسے دبا نہیں سکتے آج تک دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو انفرادی دعوت کو دبا سکے اگر چہ کہ وقت کے ارباب اقتدار اپنا سارا کی سارا زور لگا دے۔کسی تحریک یا بڑی سے بڑی جماعت پر پابندی عائد کی جاسکتی ہے لیکن جب تک اس تحریک یا جماعت کے افراد انفرادی دعوت کے ذریعے ایک دوسرے سے تعلق میں رہیں اس کا پیغام بھی زندہ رہتا ہے جس کی موجودہ مثال اقوان المسلمین ہے۔

(7) اس دعوت کے ذریعے جو قریب آگیا وہ ثابت قدم رہتا ہے ارباب اقتدار کا ظلم اور باطل کی سازشیں جمعیتوں سے منسلک بہت سے افراد کو متاثر کردیتے ہیں ایسے میں وہ افراد جو صرف بڑے بڑے جلوس وجلسوں سے متاثر ہوکر جمعیت میں داخل ہوئے ہوں ان کے اندر استقامت یا ثابت قدمی کی کمی ضرور پائی جاتی ہے لیکن جو افراد انفرادی دعوت کے ذریعے قریب ہوئے ہوں انہوں نے جمعیت اور اس کے پیغام کو سمجھ کر ہی اس سے تعلق قائم کیا ہوتا ہے اس لیے وہ آخر تک ثابت قدمی بھی دکھائیں گے۔

انفرادی دعوت کیسے؟

(1) خلوص وللہیت* ایک داعی کے اندر سب سے پہلی صفت یا خوبی جو ہونی چاہیے وہ خلوص وللہیت

ہے یہی ایک ایسی صفت ہے جو دعوت کے کام میں مستقل مزاجی ،اللہ سے اجر وثواب کی امید میں دیوانگی اور دنیا کے نفع ونقصان سے بے نیازی پیدا کرتی ہے خلوص وللہیت کے جذبات سے سرشار ہوکر ہی ایک داعی انسانیت کی ہدایت و کامیابی کی خواہش لیے دعوت کے مواقع تلاش کرتا ہے اور اس کی نظر صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی پر جمی ہوئی ہوتی ہے اور اس راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات ومصائب کو وہ انگیز کرتا چلا جاتا ہے۔

مواقع تلاش کریں:

دعوتی تعلقات کی سب سے پہلی سیڑھی ہی موقع ہے جسے ایک داعی ہر وقت تلاش کرتا رہتا ہے،کسی کی کامیابی پر مبارکباد دینا اس سے بڑھ کر تہنیت پیش کرنا،کسی کی بیماری پر عیادت اور مزاج پرسی کسی کے ہاں انتقال پر تعزیت،کسی کے غم میں شرکت کا احساس، کسی کی خوشی میں شمولیت کسی مصیبت زدہ اور پریشان حال فرد کی کفالت اور ساتھ ہی ضروریات و تعلیمی اخراجات میں امداد و اعانت یہ ایسے واقع ہوتے ہیں جس سے ہدف یا فرد کے دل میں ہماری دعوت کے لیے کشادگی اور روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ ہماری دعوت کے قریب ہوکر ہماری راہ کا مسافر بن جاتا ہے۔

تعلقات قائم کریں:

موقع تلاش کرتے ہی ایک تعلق قائم ہونا لازم و ملزوم ہے اس تعلق کو قائم اور باقی رکھنے میں ہمارے پیش نظر اللہ کی رضا ہی ہوتی ہے اسی لیے تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے تلے ایسے لوگوں کو جگہ دیں گے جو محض اللہ کی رضا کی خاطر ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے اور جدا ہوتے تھے۔

حلم اور بردباری:

مخاطب کا مزاج طبعیت آپ سے مختلف ہو سکتے ہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کی نرم خوئی اور محبت بھرے لہجے کے مقابلے میں مخاطب کی طرف سے مختلف یا مخالف رد عمل ملے ایسے میں آپ کے اندر حلم ہونا ضروری ہے کے آپ اس کے لیے بدظنی کو اپنے اندر جگہ نا دیں اور نا اپنی دعوت سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں اسی کے ساتھ برد باری بھی داعی کا خاصہ ہوتی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس تم نصیحت کرو اگر نافع ہو (سورہ اعلی) مطلب یہ ہیکہ دعوت پیش کرنے سے پہلے ہمیں خود بھی مخاطب کے خیالات اور طبیعت کا ادراک کرلینا چاہیے جس طرح ایک کسان تخم ریزی کرنے سے پہلے زمین کی زرخیزی، آب وہوا کا دباؤ اور موسم کا پتہ چلا کر ہی بیج بوتا ہے اسی طرح داعی کا بھی حال ہوتا ہے۔

نرمی اور خیر خواہی:

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو دعوت کی حکمت سمجھاتے ہوئے کہا کہ اے نبی اگر تم ترش رو ہوتے تو یہ لوگ جو تمہارے گرد جمع ہیں تم سے دور ہو جاتے ___ جی ہاں ہمارے مزاج کی سختی اور اصول ضوابط کے نام پر خود کو خشک مزاج بنالینا ایک داعی اور دعوت دونوں کے لیے نقصاندہ ہے۔

مخاطب کے جزبات کا احترام کریں:

جس طرح مختلف مزاج اور طبیعت کے لوگوں کا سابقہ پڑنا ممکن ہے اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مختلف مکتب فکر اور جزبات وخیالات کے افراد سے آپ کا رابطہ ہو اور آپ کی نظر میں ایسے لوگ جمیعت اور دین کے کام آسکتے ہوں تو ایسا نا ہو کے آپ اپنی دعوت کی ابتدا ہی ان کے جزبات اور خیالات کو غلط ثابت کرکے کریں ابتدا میں آپ کو مخاطب کے جزبات کا احترام کرنا ہوگا جب تک کہ وہ آپ کی دعوت کو سمجھ نا لیے تاریخ اسلامی کا ایک مشہور واقعہ ہے ایک نوجوان رسول صلعم سے زنا کی اجازت طلب کرتا ہے یہ دیکھ کر مجلس بیٹھے اصحاب جن میں کبائر صحابہ کرام بھی شامل تھے بین ہو گئے کہ آداب رسالت کا حال تو یہ ہونا چاہیے کہ آدمی سوال کرتے وقت دس بار سوچے اور یہاں تو رسول اللہ صلعم سے گناہ کی اجازت طلب کی جارہی ہے قربان جائیے ہادی عالم پر کہ آپ نے بڑی حکمت کے ساتھ فرمایا۔۔کیا تم پسند کروگے کہ تمہاری ماں، بہن، پھوپھی ،خالہ سے کوئی زنا کرے وہ نوجوان شرمندہ ہوا کہ اے اللہ کے رسول میں بالکل پسند نہیں کرتا تب آپ نے فرمایا کہ۔۔۔کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ ان کے ماں ،بہن اور عزیزوں کے ساتھ کوئی زنا کرے پھر وہ نوجوان اپنے گناہ سے تائب ہوکر چلا گیا یہی ہوتا ہے مخالف کے جزبات کا احترام کرکے اس کے ہدایت کا سامنا کرنا۔

حالات سے واقفیت:

اپنے ہدف یا مخاطب کی طبیعت ،مزاج ،مکتب فکر، مسلک،اور علم کا مطالعہ کیجیے اس کی شخصیت کا جائزہ لیجیے اور اس کے علم کی وسعت کے مطابق ہی اس سے بات کریں یہی ہے انفرادی دعوت میں حالات سے واقفیت۔

مخاطب کی خوبیوں کو سراہیں:

کسی کا انداز گفتگو اچھا ہے ،کوئی ٹیکنیکل کاموں کا ماہر ہے،کوئی تحریر اچھی کرلیتا کسی کی آواز بہت میٹھی ہے کسی کا حافظہ بہت تیز ہے اسی طرح انگنت خوبیوں کے لوگ ہوتے ہیں اور انہی خوبیوں کو سراہ کے ہم انہیں اپنے قریب کر سکتے ہیں اور یہی دعوت کا وہ بہترین اسلوب تھا جس کے ذریعے خالد بن ولید جیسے اسلام کے صف اول کے دشمن جب مسلمان ہوئے تو ہر اول دستے کے سپہ سالار ثابت ہوئے جن کے کارناموں سے تاریخ اسلام کے باب روشن ہیں۔

تدریج دعوت دیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز دعوت یہ تھا کہ آپ جب کسی کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے تو سب سے پہلے توحید، رسالت پر ایمان کہ بات ہوتی اور صلاۃ و صدقے کی تلقین کرتے اس کے بعد آہستہ آہستہ احکام کی ترتیب بتاتے ہمیں بھی یہی اسلوب اختیار کرنا چاہیے ایسا نا ہو کے نت نئے فلسفوں کی بحث چھیڑ دی جائے اپنے علم کی دھاک بٹھانے کے لیے علمی موشگافیوں میں مخاطب کو الجھا دیا جائے یاد رکھیے یہ دعوت کی راہ بڑی نازک ہے کہیں

(بقیہ 28 پر)

مغرب کے دوہرے معیار اور مسلم دنیا کی بے حسی

افتخار گیلانی

ڈنمارک کے ایک اخبار نے 2005 میں جب پہلی بار توہین آمیز خاکے شائع کیئے تو مسلم دنیا میں خاصا اضطراب پھیل گیا تھا۔ گو کہ فرانس کی موجودہ حکومت کی طرح ہی ڈنمارک نے بھی ان دنوں اظہار آزادی رائے کا حوالہ دیکر اعتراضات کو مسترد کر دیا، مگر اسلامی دنیا کے سخت ردعمل اور مشرق وسطیٰ کے کئی ممالک کے عملاً اقتصادی تعلقات کو ڈاؤن گریڈ کرنے سے، کوپن ہیگن کی حکومت نے مسلم ممالک میں کئی وفود بھیجے اور سنجیدگی کے ساتھ اس ایشو پر غور وخوض کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران ایک دن نئی دہلی میں مقیم ڈنمارک کے سفیر نے ایک تقریب کے دوران مجھے بتایا کہ ان کے وزیر مملکت برائے کلچر اور ڈینش کلچر انسٹیٹیوٹ کے سربراہ کسی کانفرنس میں شرکت کرنے کیلئے سعودی عرب کے راستے بھارت آرہے ہیں اور وہ کسی مسلم فیملی کے ساتھ کچھ وقت گذارنا چاہتے ہیں۔ وہ اس سلسلے میں مدد چاہتے تھے۔ میں نے پہلے دہلی میں کئی معزز افراد، جن میں دو یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز میں شامل تھے، اس وفد کی میزبانی کرنے کے درخواست کی، مگر مختلف وجوہات کی وجہ سے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر میں نے خود ہی میزبانی کی پیشکش کی، مگر میں نے سفیر کو بتایا کہ میں ایک مڈل کلاس علاقے میں رہتا ہوں، جہاں کی گلیوں سے کسی بڑی گاڑی کا گذر مشکل ہوگا اور پارکنگ بھی مسئلہ بن سکتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ سکیورٹی ہوئی، تو اور بھی مسئلہ پیدا ہوگا۔ سفیر نے مسئلہ کا حل نکال کر بتایا کہ ایک تو وہ خود نہیں آئینگے اور پھر بتایا کہ میں خود ہی اپنی گاڑی میں تاج محل ہوٹل سے ان کو لیکر جاؤں، تاکہ سفارت خانے کی بڑی گاڑیاں استعمال کرنے کی نوبت ہی نہ آجائے۔ ان کیساتھ گفتگو کیلئے میں نے ڈاکٹر ظفر الاسلام اور ڈاکٹر قاسم رسول الیاس اور چند دیگر رفقا کو بھی مدعو کیا۔ ڈنر کے دوران دونوں ڈاکٹر صاحبان کی مدبرانہ، عالمانہ اور پر اثر گفتگو نے وہ کام کیا، جو ہزاروں احتجاج نہیں کر پائے تھے۔ جب میں واپس ان کو ہوٹل چھوڑنے جارہا تھا، ڈینش وزیر کہہ رہے تھے، کہ پہلی بار کسی نے ان کے ساتھ اس قدر کھل کر مدبرانہ گفتگو کی ہے اور پہلی بار ہی ان کو خاکوں پر مسلمانوں کے اس قدر شدید ردعمل کے عوامل کا احساس ہوا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر ظفر الاسلام نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ مغرب میں اظہار آزادی رائے کے دوہرے پیمانوں کا ذکر کیا، اور ادراک کروایا کس طرح اسکو صرف مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے اور گلوبلائزڈ دنیا میں اس کے کس قدر خطرناک نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ اظہار آزادی رائے کے دوہرے پیمانے اگر نہ ہوتے، تو یورپی ممالک میں 1998 سے 2019 تک 22 مصنفین، سیاسی کارکنان اور آرٹسٹوں کو قید اور جرمانے کی سزائیں نہ دی جاتی، جو جنگ عظیم دوم کے دوران یہودیوں کے قتل عام یا ہولو کاسٹ کی نفی کرتے ہیں۔ اس قتل عام کے بعد متاثرین میں انسانی حقوق اور زندگی کے تئیں احترام سرایت کرنا چاہئے تھا، مگر جنگ عظیم کے بس چند برس بعد ہی یہودیوں نے فلسطینی عوام کے حقوق پر شب خون مار کر وہی وطیرہ اختیار کیا، جو جرمنی، پولینڈ اور دیگر مغربی ممالک میں ان کے ساتھ اختیار کیا گیا تھا۔ پچھلے 73 سالوں سے فلسطینیوں کو زندگی اور زندگی کے لوازمات سے محروم کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں مغرب میں جن افراد نے ان یہودیوں کو تختہ مشق بنایا، ان کا اگلا نشانہ اب اسلام اور مسلمان ہیں۔ جس طرح 20 ویں صدی کے اوائل میں یہودیوں کے خلاف ماحول بنایا جارہا تھا، اسی طرح ایک صدی کے بعد اب اسلاموفوبیا کا ہوا کھڑا کر کے مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جارہی ہے۔ چاہے 2005 میں ڈنمارک کا قضیہ ہو، یا فرانس کے ہفت وار اخبار

چارلی ہیبڈو کا معاملہ ہو، مغربی دنیا مسلمانوں کے احتجاجات کو مسترد کر کے ان کو جمہوری نظام کے اقدار کے منافی اور تنگ نظری پر معمور کرتی ہے۔

اسلاموفوبیا پر اب صرف مغرب کی اجارہ داری نہیں رہی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت میں بھی کئی افراد آزادی اظہار رائے کی آڑ میں حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے خلاف گستاخانہ الفاظ کا استعمال کر کے مسلمانوں کو زبردستی اشتعال دلانے کا کام کرتے ہیں۔ گو کہ فرانس کے برعکس حکومت کی طرف سے انکو براہ راست سند حاصل نہیں ہے، مگر جذبات کو برانگیختہ کرنے والوں کے خلاف کارروائی نہ کرنے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ کون ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔ حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی کی انفارمیشن ٹیکنالوجی سیل سے مستعفی چند رضاکاروں نے آن ریکارڈ بتایا ہے کہ ان کو مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کی باضابطہ تربیت دی جاتی تھی۔ ہندو انتہا پسندوں کی ایما پر قائم ایک اور سیل کے انچارج پریس کلب آف انڈیا کے سابق سیکرٹری جنرل اور سیفما کے فعال رکن پشپندر رکلوستے آئے دن ویڈیو بنا کر پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ موصوف علیگڑھ کے فارغ التحصیل ہیں نیز پاکستانی چینل کے نمائندے اور سیفما کے رکن کی حیثیت سے پاکستان آنا جانا رہتا تھا، اسلئے اسلام سے متعلق واجبی سی اور مسلمانوں کے بارے میں سیر حاصل معلومات رکھتے ہیں۔ جب ان کی اس روش کے خلاف کوئی آواز اٹھاتا ہے تو ہمدردی بٹورنے کیلئے اظہار آزادی رائے کو آڑ بنا کر مسلمانوں کے رویہ کو نشانہ بناتے ہیں۔ گو کہ بھارتی آئین کے بنیادی ڈھانچہ میں دفعہ 19 کے تحت اظہار آزادی رائے کو شامل کیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ مناسب پابندیاں بھی لگائی گئی ہیں، جن کو وقتاً فوقتاً عدالتوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ہتک عزت، توہین عدالت، قومی سلامتی، دوست ممالک کے ساتھ رشتہ خراب کرنا، عوام کو جرم پر آمادہ کرنا اور نظم و نسق کو بگاڑنے جیسے ایشوز کو اظہار آزادی رائے سے الگ رکھا گیا ہے۔ بھارت میں اسوقت لگ بھگ 106 کتابوں پر پابندی عائد ہے۔ حال ہی میں سوئیندرا شیکھر کی آدی واسیوں یعنی قبائلیوں پر لکھی کتاب Adivasis Will Not Dance پر پابندی لگائی گئی۔ اس سے قبل 2015 میں بھارت میں تامل زبان کے ناول نگار پرومل موروگن کی ناول کے انگریزی ترجمے پر اس وجہ سے پابندی لگادی گئی، کیونکہ اس میں مصنف نے ہندو مذہب کی قدیم رسم ''نیوگ'' کے بارے میں لکھا تھا۔ نیوگ رسم کے مطابق کوئی بے اولاد عورت بچہ پیدا کرنے کے لیے کسی غیر مرد یا پنڈت سے جنسی تعلقات قائم کرتی تھی اور اس رسم کو سماجی قدیم بھارت میں قبولیت حاصل تھی۔ موروگن نے اس ناول میں ذات پر مبنی طبقاتی کشمکش اور ظلم اور معاشرے کی برائیوں پر نکتہ چینی کی تھی، جس سے ایک خاندان بکھر جاتا ہے اور ان کی ازدواجی زندگی تباہ ہوجاتی ہے۔ نہ صرف ان کی ناول پر پابندی عائد کی گئی، بلکہ ناشرین کو ہدایت دی گئی، کہ اس کتاب کی سبھی کاپیاں جلا دیں۔ یہ تو صرف چند واقعات ہیں جن کا ذکر برسبیل تذکرہ آگیا ہے ورنہ ایسے واقعات کی گنتی مشکل ہے۔ اسی طرح یورپی ممالک نے بھی اظہار آزادی رائے پر مناسب پابندی کے قوانین پاس کئے ہیں۔

حال ہی میں لندن کی ویسٹ منسٹر کورٹ نے موسیقار ایلیسن چابلوز کو ہولوکاسٹ کی نفی کرنے اور یہودیوں کے خلاف نفرت آمیز مواد شائع کرنے پر 20 ہفتے جیل کی سزا سنائی اور ایک سال تک سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے پر پابندی لگائی۔ جج کرسٹوفر ہیہیر نے ملزم کے اظہار آزادی رائے کے دلائل کو مسترد کرتے ہوئے کہا، کہ نفرت پھیلانے کی آزادی نہیں دی جاسکتی ہے۔ فرانس نے ابھی تک خود چھ مصنفین جین میری لی پین، روجر گاروڈی، جین پلانٹین، رابرٹ فاویسون اور وینسینٹ رینورڈ کو سزائیں دی ہیں۔ جس میں جرمانہ اور چھ ماہ سے ایک سال تک کی قید بھی شامل ہے۔ گو کہ ہولوکاسٹ کو مناسب پابندیوں کے زمرے میں رکھنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر اظہار آزادی رائے کے دوہرے پیمانے اب ناقابل برداشت ہوچکے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ ایک جمہوری معاشرہ کی بنیاد ہی اظہار رائے کی آزادی ہے، مگر کسی بھی مہذب سوسائٹی میں آزادی مطلق نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر سوسائٹی میں کسی بھی طرح کا کنٹرول نہ ہو، تو کمزوروں کے حقوق پامال ہونگے اور انارکی کی سی کیفیت پیدا ہوگی۔ صحافتی اقدار اور آزادی کو اس قدر بے لگام نہیں چھوڑا جاسکتا ہے، جس سے ایک اور ہولوکاسٹ کے حالات پیدا ہوجائیں۔ معاشروں میں قوت برداشت، لبرل رویوں اور تکثیری اقدار کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ معاشرہ میں مثبت سرگرم رول ادا کرتے ہوئے، اپنے پڑوسیوں اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مکالمہ کریں۔ ان کے سکھ دکھ میں شریک ہوں۔ ان

کی بتانے کی ضرورت ہے کہ قرآن کا پیغام مسلمانوں کیلئے ہی نہیں، بلکہ پوری انسانیت کیلئے ہے۔ بائیں بازو کے ایک مفکر کوبڈ گاندھی جو دہلی کی تہاڑ جیل میں پارلیمنٹ حملہ میں پھانسی کی سزا پاچکے کشمیری نوجوان افضل گورو کے ساتھ کئی ماہ سیل میں ساتھ تھے، کا کہنا ہے کہ افضل کے ساتھ گفتگو کے دوران ان کو پتہ چلا کہ کمیونزم کے سماجی انصاف و برابری کا سبق تو اسلام 1400 سال قبل سنا چکا تھا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو تفرقوں کے کوزے سے باہر نکال کر اپنے کردار و اعمال سے ثابت کریں کہ اسکے افکار و نظریات ہی واقعی انسانیت کی معراج ہے۔ اس سے بڑی ذمہ داری اسلامی سربراہان پر آن پڑی ہے۔ چند برس قبل سعودی عرب نے کنیڈا کے ساتھ اپنے سفارتی و تجارتی تعلقات اس وجہ سے ختم کر لئے، کیونکہ کنیڈا نے سعودی عرب میں انسانی حقوق کی صورت حال پر احتجاج درج کروایا تھا۔ کاش ایسا ہی موقف ان ممالک کے خلاف بھی اپنایا جاتا جو اظہار آزادی کی آڑ میں ان خاکوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اگر مسلم ممالک کے حکمران بے حسی اور بزدلی کے آئے دن ثبوت فراہم نہ کرواتے اور جسد ملت اپنی روح کے ساتھ موجود ہوتی، تو مغربی دنیا میں کسی کو خاکے بنانے کی ہمت نہ ہوتی۔ اب بھی وقت ہے کہ اسلامی ممالک کے سربراہان کا اجلاس طلب کر کے متفقہ طور پر توہین رسالت کے حوالے سے مغربی ممالک کیلئے ایسی ہی ریڈ لائن طے کریں، جس طرح اسرائیل نے ہولوکاسٹ کے حوالے سے طے کی ہوئی ہے۔ مغرب کے موجودہ طرز عمل سے نہ صرف دونوں طرف کے انتہا پسندوں کو شہہ ملتی ہے، بلکہ امن عالم بھی شدید خطرے سے دوچار ہو رہا ہے۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ مغرب میں کچھ اذہان کو ایک اور ہولوکاسٹ کیلئے تیار کیا جا رہا ہے، جس کا تدارک کرنا ضروری ہے۔ اسلامی ممالک اگر اب بھی نہ جاگے، تو بے حسی اور بزدلی کی تاریخ کا حصہ بن کے رہ جائینگے۔

بابری مسجد ترانہ

خدا کے گھر کو پھر مومن کے سجدوں سے سجانا ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

بہت دیکھے جہاں والو! اندھیروں کے جگر ہم نے
کیا تاریک راتوں کو عزیمت سے سحر ہم نے
مصائب میں گھرے لیکن رکھا جاری سفر ہم نے
تقاضا دین کا رکھا سدا پیشِ نظر ہم نے

ضیائے دین احمدؐ سے اندھیروں کو مٹانا ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

مسلماں پر عیاں ہوجائے اب دشمن کی عیاری
یہودی عزم کو لے کر چلے بھارت کے زُنّاری
وہاں اقصی، یہاں پر بابری مسجد کی مسماری
یہودی اور زُنّاری، منافق اور اخباری

خدا کے نیک بندوں کا یہاں دشمن زمانہ ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

سنو اے مومنو! مسجد تمہیں آواز دیتی ہے
مسلماں کو مسلماں ہونے کا اعزاز دیتی ہے
یہی ہر دور میں شاہیں صفت جانباز دیتی ہے
یہی ٹوٹے پروں کو طاقتِ پرواز دیتی ہے

کہیں تم بھول نا جانا خدا کا گھر بسانا ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

یہاں پر ہر طرف سے دیکھیے اشرار نکلے ہیں
تباہی بانٹنے بستی کے پہرے دار نکلے ہیں
دلوں میں نفرتیں، ہاتھوں میں لے ہتھیار نکلے ہیں
سلگتے شہر میں ایندھن لیے اخبار نکلے ہیں

خدا کے گھر میں کہتے ہیں صنم خانہ بنانا ہے
خدا کا گھر ہمیں مومنؔ کے سجدوں سے سجانا ہے

جوانوں کے دلوں میں جاگزیں میری یہ عظمت ہے
زمیں سے آسمانوں تک خدا کے گھر کی حرمت ہے
خدا کے گھر کی آبادی مرے آقا ﷺ کی سنت ہے
بنا کر تو دکھا دے بت کدہ جس میں یہ ہمت ہے

نکل آؤ! جنہیں جنت میں اپنا گھر بنانا ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

خدا کے گھر کو پھر مومن کے سجدوں سے سجانا ہے
اگرچہ خار ہیں ہر سو، قدم آگے بڑھانا ہے

دعاؤں کا طالب: مومنؔ ہندیؔ، ممبرا

دانتوں کے درمیان کشادگی کرنا

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے گودنے والی، گودوانے والی، بال اکھیڑنے والی، اکھڑوانے والی، خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، جو اللہ کی تخلیق کو بگاڑنے والی ہیں، بنو اسد کی ایک عورت ام یعقوب ان کے پاس آئی، اس نے کہا: مجھے یہ بات پہنچی کی آپ گودنے والی، گودوانے والی، بال اکھیڑنے والی، خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کرنے والی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں، جو اللہ کی تخلیق کو بگاڑنے والی ہین۔ ابن مسعودؓ نے کہا: میں کیوں نہ لعنت کروں، جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے اور وہ اللہ کی کتاب میں ہے، عورت نے کہا: میں نے قرآن پڑھا ہے، میں نے یہ قرآن میں یہ لعنت نہیں دیکھی، عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: اگر تم قرآن پڑھتی تو ضرور دیکھ لیتی، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے؛ رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس بات سے منع کریں، اس سے رُک جاؤ۔'' (صحیح مسلم)

علامہ نوویؒ منفلجات کی تشریح اور اس کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عورتیں دانتوں کے درمیان یعنی ثنایا اور رباعی دانتوں کے درمیان کشادگی کرتی ہے، عموماً بوڑھی اور سن رسیدہ عورتیں ایسا کرتی ہیں، تاکہ کم سنی اور حسن کا اظہار ہو، کیوں کہ چھوٹی بچیوں کے دانتوں کے درمیان باریک کشادگی ہوتی ہے، عورت جب سن رسیدہ ہونے لگتی ہے، تو وہ ایسا کرتی ہے، تاکہ کم سن ہونے کا گمان ہو۔ ان احادیث کی بنا پر یہ فعل ایسا کرنے والی اور کروانے والی دونوں کے لیے حرام ہے، اس لیے کہ اس میں فریب کاری اور دھوکہ دہی ہے۔''

اس حدیث سے دو بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں؛ اول یہ کہ ان ممنوعہ چیزوں کا مقصد حسن وتزئین ہے اور اس طرح کی تزئین جس سے ہیئت بدل جائے، جائز نہیں، اسی طرح آج کے زمانہ میں جو بیوٹی آپریشن اور بیوٹی سرجری کی جاتی ہے، یہ جائز نہیں، البتہ علاج اور ضرورت کے لیے سرجری کی اجازت ہوگی۔ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے:

''اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کہ خوب صورتی کے لیے یہ فعل ہے، البتہ اگر علاج یا کسی عیب کی وجہ سے اس کی ضرورت پڑ جائے، تو اس کے کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم'' (شرح مسلم)

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسا کرنا اللہ کے بنائے ہوئے جسم میں تبدیلی ہے اور جسم اور تمام اعضاء اللہ کی امانت ہے، اس میں کسی کو تبدیل کرنا تغیر کرنے کا حق نہیں ہے، اللہ کے جسم اور اللہ کی بنائی ہوئی تخلیق میں تبدیلی کرنا شیطانی فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبود بناتے ہیں، وہ اس باغی شیطان کو معبود بناتے ہیں، جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے، اس (شیطان) نے کہا تھا: میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رکھوں گا، میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں امیدیں دلاؤں گا، میں انہیں حکم دوں گا، وہ جانوروں کے کان پھاڑیں گے، میں انہیں حکم دوں گا، وہ اللہ کی ساخت میں رد و بدل کریں گے۔ (النساء:۱۱۹)

چہرے کا رنگ صاف کرنا

سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ چہرہ کو رنگنے والی اور رنگوانے والی، گودنے والی گودوانے والی، بال جوڑنے والی اور جوڑوانے والی عورتوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔'' (مسند احمد:۶/۲۵۰)

عربی زبان میں قشر کے معنی کھال اتارنے اور کھال چھیلنے کے ہیں۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ زعفران وغیرہ سے چہرہ صاف کرنے کو قشر کہتے ہیں (النہایہ لابن اثیر ۴/۶۴) اور علامہ زمخشریؒ نے لکھا ہے: ''قشریہ ہے کہ اپنے چہرہ پر کوئی سرخ چیز ملے، یہاں تک کہ اوپر کا چمڑا بہت باریک ہو جائے اور رنگ صاف ہو جائے۔'' (الفائز ۳/۱۹۶)

اگر چہرہ کو خوب صورت بنانے کے لیے اس طرح چمڑے کو باریک کر دیا جائے کہ اصل چمڑے کی ہیئت بدل جائے، تو یہ بھی تغییر خلق میں شامل ہوگا اور ناجائز ہوگا اور یہ بھی گودنے (وشم) کی ایک صورت ہوگی۔ آج کل بیوٹی پارلر میں غالباً اس طرح کے دھندے عام ہوگئے۔

وقت کی اہمیت

ابوالفیض____________

ابوالفیض

سردی کا موسم شروع ہوگیا تھا۔کچھ دنوں سے ٹھنڈے کے ساتھ کہرا بھی بڑھ گیا تھا۔دادی جان کے تخت کے پاس ہر وقت آلاؤ جلتا رہتا تھا۔جس کے گھر کے تمام افراد وقت نکال کر بیٹھتے اور دادی ماں سے باتیں کرتے تھے۔گھر کے سارے بچے (خنساء،راشد،فوزان اور ارشد) بھی اکثر دادی جان کے پاس ہی ہوتے لیکن دادی اپنے طئے شدہ وقت پر ہی بچوں کو کہانی سناتی تھیں۔اکثر اوقات وہ خود ذکر و اذکار میں مشغول رہتی یا بچوں سے قرآن کریم اور روزمرہ کی دعائیں سنا کرتیں۔اسکول بند ہونے کی وجہ سے بچوں کا گھر سے باہر نکلنا بہت کم ہوگیا تھا۔ادھر ٹھنڈ بڑھ جانے سے خنساء کے ابو بچوں کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔اس لیے بچے اسکول کے کاموں سے فارغ ہو کر کھیلنے لگ جاتے یا دادی کے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے۔

آج بھی بچے کہانی سننے کے وقت دادی جان کے تخت کے پاس گھیرا بنا کر آ بیٹھے آگ تاپ رہے تھے۔دادی نے بچوں کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا اور کچھ وقفے کے بعد بولیں۔بچو! آج میں تمہیں ایک چیونٹی اور جھینگر کی کہانی سناؤں گی۔بچے کہانی کا نام سنتے ہی شور مچانے لگے۔دادی نے پہلے بچوں کو خاموش رہنے کو کہا پھر کہانی شروع کی۔

بچو! پرانے زمانے کی بات ہے کسی جگہ پر ایک چیونٹی اور جھینگر رہتے تھے۔چیونیٹی بہت رحم دل اور محنتی تھی۔وہ محنت مزدوری کر کے اپنے لیے اناج جمع کرتی اور وقت ضرورت پر کسی کی مدد بھی کر دیتی تھی۔جب کہ جھینگر کام چور اور جھگڑالو تھا۔وہ محنت مزدوری سے دور بھاگتا تھا۔وہ جب آسودہ حال ہوتا تو گانے بجانے میں لگا رہتا اور جب اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہتا۔ایک دفعہ سری کے دنوں میں چیونٹی اپنا اناج سکھا رہی تھی، اسی وقت جھینگر وہاں پہنچ گیا۔اس نے چیونٹی سے درخواست کی کہ وہ اس میں سے تھوڑا اناج جھینگر کو دے دے۔چیونٹی نے جب وجہ پوچھی تو اس سے بتایا کہ وہ کئی روز سے بھوکا ہے۔چیونٹی نے جب یہ بات سنی اسے بہت غصہ آیا۔اس نے جھینگر سے پوچھا گرمی کے دنوں میں جب چاروں طرف اناج بکھرے پڑے تھے اس وقت تم کیا کر رہے تھے۔جھینگر نے جواب دیا ”میں اس وقت گانے بجانے میں مصروف تھا۔“ چیونٹی نے جب یہ

سنا تو اس نے کہا! "اب کیوں پریشان ہو رہے ہو۔اس وقت بھی خوب ناچو گاؤ" اتنا سننا تھا کہ سارے بچے ایک ساتھ ہنس پڑے۔دادی نے دوبارہ بچوں کو چپ کر دیا پھر بولیں تم سے کوئی بھی اس کا مطلب بتائے۔سارے بچوں نے ایک ساتھ کہا کہ آپ ہی اس کا مطلب بتادیں۔دادی کچھ دیر خاموش رہی پھر انہوں نے کہا۔اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ اپنے وقت کی قدر کرو اور فرصت کے اوقات کو کام میں لاؤ۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت سی نعمت دی ہیں ان یں سے ایک وقت بھی ہے۔دین اسلام میں اس کی بہت اہمیت اور فضلیت ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورہ عصر میں وقت یعنی زمانے کو گواہ بنا کر سارے لوگ خسارے میں ہیں سوائے چند کے۔نبی کریمؐ نے فرمایا! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس کی عمر اور جوانی دونوں کے بارے میں سوال کرے گا کہ تم نے کہاں صرف کیا۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا فرصت کو غنیمت جانو اس سے پہلے کہ تم مصروف ہو جاؤ۔اس لیے بچو! ہمیں ہمیشہ اپنے وقت کی قدر کرنی چاہیے اور فرصت کے اوقات کو کام میں لانا چاہئے۔بچوں نے جب یہ باتیں سنی تو انہوں نے عہد کیا کہ وہ اپنے فرصت کے اوقات کو کام میں لائیں گے۔اور اپنا وقت ضائع کرنے سے بچیں گے۔

خالی جگھوں کو پُر کریں

(۱) اسلام ایک ۔۔۔۔۔۔۔ دین ہے۔

(۲) یہ سارے عالم کی ۔۔۔۔۔۔۔ کے لیے آیا ہے۔

(۳) اسلام کے بنیادی ارکان ۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔

(۴) پہلا رکن توحید اور آخری رکن ۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(۵) جہاد کا شمار اسلام کے بنیادی ارکان میں نہیں ہوتا پھر بھی اسلام میں جہاد کی بہت ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔ اور اسلام کے خاطر جنگ میں لڑتے ہوئے مرنے والے کو ۔۔۔۔۔ کہا جاتا ہے۔

جوابات:

۱۔مکمل، ۲۔بھلائی، ۳۔پانچ،

۴۔حج، ۵۔اہمیت، شہید

اس فرض کو پورا کر کے رہو!

اللہ کے فرماں کو لے کر
تم روئے زمیں پر آئے تھے
سوئی ہوئی غافل دنیا کو
خوابوں سے جگانے آئے تھے
بے چین بھٹکتے انسان کو
تم راہ دکھانے آئے تھے
تم خیر وسکوں کے داعی تھے
پیغامِ امان تم لائے تھے
پر حیف تمہاری حالت پر
تم بھول گئے کیوں آئے تھے

فرمان خدا پہنچائے کون
فرمان کو تم خود کھو بیٹھے
انساں کو جگائے گا اب کون
تم فرض سے غافل ہو بیٹھے
اب راہبری یاں کون
کرے جب راہ کو رہبر کھو بیٹھے

ہاں بھول نہ جاؤ اے بچو!
تم کون ہو کیوں کر آئے ہو!
تم فرض کو اپنے پہچانو جس
فرض کو لے کر آئے ہو!

کچھ ایسی ویسی بات نہیں
تم حق کی دوت دیتے ہو
یہ کام بڑا ہی ناز ہے
اس کام میں تن من دھن میں لگو
اللہ تمہارا ساتھ ہے
تم اس کا سہارا لے کے بڑھو
یہ فرض تمہارا مقصد ہے
اس فرض کو پورا کر کے رہو

(ضرار محمود)

ھنسا منع ھے

ایک بچہ چاکلیٹ کھا رہا تھا تو پاس بیٹھے آدمی نے کہا:

اتنی زیادہ چاکلیٹ کھانا اچھا نہیں ہوتا۔

بچے نے کہا: میرے دادا ابو 105 سال جیئے تھے۔

آدمی: کیا وہ چاکلیٹ کھاتے تھے؟

بچہ: نہیں، وہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے!!

ابن سلطان

جوابِ خضر

علامہ اقبال نے حضرت خضر سے امت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰ　　خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

اب حضرت خضر علامہ کا جواب دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز

تم مجھے ترک وعرب کی داستاں کیا سنا رہے ہو؟ میں ان سے خوب واقف ہوں، ان کی خوشیوں سے اور ان کے غم والم سے۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ
خشت بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

اہل کلیسا اولاد ابراہیمؑ کی میراث اُڑا لے گئے۔ حجاز کی مٹی سے بنی اینٹ کلیسا کی بنیاد بن گئی ہے یعنی عرب کو عیسائی استعمال کر رہے ہیں اور عرب استعمال ہو رہے ہیں۔

ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبورِ نیاز

لال رنگ کی ٹوپی پہننے والے ترک رسوا کر دیے گئے (اپنے اور غیروں کی سازش کے سبب) جو کل تک آرائش ونوازش والے تھے، وہ آج حاجت ومحتاجی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

لے رہا ہے مے فروشانِ فرنگستاں سے پارس
وہ مئے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز

فارس (ایران) کا حال یہ ہے کہ انگریزوں (عیسائیوں) سے ایسی شراب خرید رہے ہیں جس کی حرارت اتنی تیز ہے کہ وہ شراب کے گلاس کو بھی پگھلا کر رکھ دیتی ہے۔ ایسی حرارت والی شراب میں اہل فارس کو انگریزوں نے مست کر رکھا ہے۔

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

اہل مغرب (انگریز، عیسائی) نے بڑی چالاکی سے ملت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے جس طرح سونے کاٹنے والی قینچی سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

مسلمانوں کا لہو پانی کی مانند سستا ہوگیا ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر جو تو مضطرب ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو کائنات کے اس راز سے واقف نہیں ہے۔

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

وہ راز یہ ہے، جسے مولانا رومؒ نے اس شعر میں فاش کیا ہے کہ کسی عمارت کو ازسرنو تعمیر کرنا ہو تو پہلے اس کو بنیاد سے اکھاڑ دیتے ہیں، اس کے بعد ہی وہ نئے سرے سے بنائی جاتی ہے۔ یعنی امت میں جو اضطراب ہے وہ اس سبب سے ہے کہ امت محمدیہ کی ازسرنو تعمیر ہونی ہے۔

ملک ہاتھوں سے گیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں
حق ترا چشمے عطا کردست غافل در نگر

یہ بات درست ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ملک وسلطنت چلی گئی لیکن اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ غفلت میں پڑی اس امت کی آنکھ کھل گئی۔ اب اسے اپنے نفع ونقصان کا احساس ہونے لگا خدا تجھے بصیرت سے بھری بصارت عطا کرے۔

مومیائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
مور بے پر! حاجتے پیشِ سلیمانے مبر

اپنے زخم پر کسی سے مانگ کر دوا رکھنا مناسب نہیں یعنی زخم کے لیے مرہم اگر دوسرے سے مانگو گے تو وہ تمہاری کمزوری وزخم سے واقف ہو جائے گا لہٰذا اس سے بہتر تو یہ ہے کہ آدمی لڑ کر شکست ہی کھالے، چونٹیوں کی طرح۔ بادشاہ وقت کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو۔

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

اہل مشرق کی مسلم اقوام کی نجات وبھلائی اس میں ہے کہ وہ دوسرے علاقوں کی مسلمان امت سے ربط بڑھائیں اور آپس میں متحد ہوکر رہیں لیکن ایشیا والے اس نکتہ سے بے خبر ہیں۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر

تمہاری نجات اس سیاست میں نہیں ہے لہذا سیاست چھوڑ کر دین اسلام کے قلعے میں داخل ہوجاؤ کہ اسی میں تمہاری بھلائی وحفاظت ہے۔حکومت ودولت دین کی حفاظت کے نتیجے میں ہی پوشیدہ ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

نیل کی ساحل سے لیکر کاشغر تک کے مسلمانوں کو حرم کی حفاظت کے لیے متحد ہوجانا چاہئے۔

جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں ، مٹ جائے گا
ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

رنگ ونسل کے نام پر اختلاف کرنے والے ختم کردیے جائیں گے۔اختلاف کرنے والے شاہی خیموں میں رہنے والے ترک ہوں یا بلند مرتبہ خاندان سے تعلق رکھنے والے عرب۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

مسلم قوم مذہب سے بنی ہے۔اگر مذہب پر نسل پرستی غالب آگئی تو امت خاک کی مانند بکھر کر رہ جائے گی۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اپنے اندر اسلاف کا قلب وجگر پیدا کرو۔ان کا دل بڑا تھا اور بے خوف تھا تاکہ دنیا پھر خلافت کی برکات سے فیض یاب ہوسکے۔

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

اے قوم مسلم تم پوشیدہ اور ظاہری باتوں میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا ہوشیار ہوجاؤ۔حضرت ابوبکرؓ وعلیؓ کی بڑائیاں ثابت کرنے کے چکر میں نہ پڑو اور تفرقہ بازی سے دور رہو۔چھوٹے چھوٹے باہمی اختلاف کے چکر میں نہ پڑو۔

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ بھی ہو چکی
اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

امت محمدیہ سے محبت وعشق کے سبب یہ لازم تھا کہ خدا کے حضور امت کی بھلائی کی فریاد کی جائے،سو وہ فریاد ہو چکی۔اب دل تھام کر اس فریاد کی تاثیر دیکھ۔

تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

تم نے دریا کی موجوں کا دبدبہ دیکھا ہوگا۔اب یہ موج مستقل باہم ملی ہوئی زنجیر کے مانند بننے والی ہے،جو ہر باطل کو بہالے جائے گی۔

عامِ حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ

انسانوں کی عام آزادی کا جو خواب اسلام نے دیکھا تھا،اب عن قریب اس خواب کی تعبیر ظاہر ہونے والی ہے۔

اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر، دیکھ

سمندر نام کا کیڑا آگ میں جل کر پھر اپنی ہی راکھ سے پیدا ہوتا ہے۔اس کی راکھ ہی اسے دوبارہ وجود بخشتی ہے۔اسی طرح پھر یہ عالم اسلام جس طرح اضطراب کی آگ میں جل رہا ہے،عن قریب اپنی اسی خاک سے اسے دوبارہ ایک نئی زندگی ملنے والی ہے اور پھر دوبارہ اسلام کو عروج حاصل ہونے والا ہے۔

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

میری یہ باتیں جو آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہیں،آنکھ کھول کر ان میں غوروفکر کرو تو تمہیں آنے والے دور کی ایک تصویر دکھے گی گرچہ وہ واضح نہ ہو۔

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

آسمان کے پاس ایک آزمایا ہوا نسخہ بھی ہے،جو اہل باطل پر فتنہ بن کر نازل ہوا تھا اور انہیں اکھاڑ پھینکا تھا۔اس سے مراد اسلام ہے۔اب وہ اس جہان کی تقدیر بن کر رہ گیا ہے۔اسے روکنے پر تدبیر کو رسوائی حاصل ہوگی۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر، 'لایخلف المیعاد' دار

مسلم ہو تو اپنے سینے کو ان آرزوؤں سے آباد رکھو۔اپنے پیش نظر ہمیشہ یہ آیت رکھو کہ ان اللہ لا یخلف المیعاد یعنی اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

* مسجد کی اہمیت *

اسلام میں مسجد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے ہر ہفتہ خطیب کی زبان سے کلمہء حق کی گونج سنائی دیتی ہے، منکر کے خلاف اظہار ناپسندیدگی، معروف کا حکم، خیر کی دعوت، غفلت سے بیداری، اجتماعیت کی پکار، ظالم کے خلاف احتجاج، سرکش اور باغی کے خلاف تنبیہ اور اعلان یہ سب منبر سے ہوتا ہے، ہم نے بچپن میں دیکھا ہے کہ فرانسیسی استعمار کے خلاف مسجدیں وطنی تحریکوں کا مرکز تھیں، صیہونیت اور سامراج کے خلاف جہاد کے علمبردار انہی کا سہارا لیتے تھے اور آج جو صورت حال نظر آرہی ہے کہ مسجدیں اپنی اہم ذمہ داری کی انجام دہی میں خاموش ہیں تو یہ بعض تنخواہ دار خطیبوں یا جاہلوں کی غلطی اور کوتاہ اندیشی کا نتیجہ ہے۔ جس دن مسجدوں کے منبر ومحراب کی قیادت ایسے داعیان حق کریں گے جو حق کے معاملے میں سخت ہونگے، شریعت کے عالم ہونگے، اللہ اور اس کے رسول کے مخلص ہونگے، مسلمانوں اور عوام کے خیر خواہ ہونگے، اس وقت ہماری اجتماعی زندگی میں مسجد کی مرکزیت واپس اجائے گی اور افراد کی تعمیر وتربیت، سورماؤں کی تیاری، فسادات اور منکرات کے خاتمے اور معاشرہ کی تقوی اور رضاء الہی کی بنیادوں پر تعمیر کے سلسلے میں مسجدیں اپنا کردار ادا کرنے لگیں گی۔

(السیرۃ النبویہ، دروس وعبر، ڈاکٹر مصطفی سباعی مترجم ص 93)

Nukushe-E-Rah

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No:G/Akl Dn/258/2019-21

مصری عالم دین سیّد قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں میں کی جانے والی عربی زبان کی مایہ ناز تفسیر

کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ

مولانا سید حامد علیؒ صاحب/مولانا مسیح الزماں فلاحی، ندوی صاحب

"اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش وزیبائش کے ساتھ"

پہلے سے آرڈر بک کرنے پر خصوصی رعایت

- شُستہ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر۔
- علمی، فکری اور سائنٹفک تفسیر۔ دعوتی، تربیتی اور انقلابی تفسیر۔ وجدانی اور ادبی تفسیر۔
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے بہترین تفسیر۔
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج وزوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو۔
- اسلامی جماعت کے کارکنان کے لیے بہترین مشعل راہ۔
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت وطباعت اور پرکشش ٹائٹل۔

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کے لیے ضرور منگائیں۔

اپنا آرڈر بک کرائیں: موبائل 9899693655

ای میل: gpddelhi2018@gmail.com

Nukush-E-Rah 1st Floor, Opp. Basera Apartment, Subhash Chowk, Akola. 444001

0724-2434333
8266997613
nukusherah@gmail.com